ہمدرد

نونہال



فروری ۱۹۶۵ء

مدیر اعلا: حکیم محمد سعید

مدیر معاون: مسعود احمد برکاتی

فون: ۴۷۷۷۵

شمارہ ۲ جلد ۱۲

دفتر ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

ہمدرد نونہال

جاگو، جگاؤ

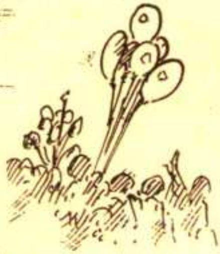
پیارے بچّو!

علم کے پیالے کو اپنے ہونٹوں سے لگا لو۔ جُوں جُوں علم کے قطرے تمھارے جسم میں پہنچیں گے تمھارے دل و دماغ روشن ہو جائیں گے۔ یہی وہ روشنی ہوگی، جو تم کو تنگ سے تنگ اور مشکل سے مشکل راستوں سے گزار کر منزلِ مقصود کو پہنچا دے گی۔ جہالت تاریکی ہے، اس کے خلاف جہاد کرو۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تاریکی کو روشنی سے بدل دو اور پورے پاکستان کو شمعِ علم سے روشن کر دو، جگمگا دو۔

حکیم محمد سعید



قیمت:— ایک رسالہ: ۷۵ پیسے —— سالانہ: آٹھ روپے


عید

سجاد ہاشمی



نئے سال کے ساتھ آئی ہے عید
کہ پیغام خوشیوں کے لائی ہے عید

مسرت سے لبریز ہر دل ہے آج ۔۔۔ کہ ہر گھر ہی خوشیوں کی محفل ہے آج
جو بچھڑے ہوئے تھے گلے مل گئے ۔۔۔ خوشی سے دلوں کے چمن کھل گئے
مبارک ہوں خوشیوں کی یہ ساعتیں ۔۔۔ جو لائی ہیں اللہ کی رحمتیں
خدایا وطن سے غریبی مٹا ۔۔۔ تری رحمتوں کی اٹھے وہ گھٹا
ہمیں نیک بننے کی توفیق دے ۔۔۔ دکھا روز جلوے ہمیں عید کے
بتا سربلندی کی راہیں ہمیں ۔۔۔ ملیں صرف تیری پناہیں ہمیں



دکھایا ہے تو نے جو یہ روزِ عید
وطن کے لیے ہے پیامِ سعید







عید مبارک

حکیم نعیم الدین زبیری

تم نے روزے ضرور رکھے ہوں گے، عید کو اِن ہی روزوں کا انعام سمجھو۔ روزے کا پورا ثواب تو خدا کے ہاں ملے گا لیکن خدا نے اپنے بندوں کو دنیا ہی میں خوشی کا یہ موقع بخش کر مزید احسان کیا۔ اسی احسان پر خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے عید کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ عید کی نماز کا طریقہ تو تم کو یاد ہو گا مگر چوں کہ عید سال میں دو ہی مرتبہ ہوتی ہے، اس لیے اکثر لوگ بھول جاتے ہیں۔ عید کی نماز اس طرح پڑھی جاتی ہے۔ نماز سے پہلے غسل کرو، اچھے کپڑے پہنو، خوش بو لگاؤ۔ ہاں لڑکوں کو گہرے رنگ کے شوخ کپڑے پہننا اور مہندی نہیں لگانا چاہیے۔ پھر ابّا کے ساتھ عید گاہ جانے کے لیے وقت سے پہلے تیار ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی بات پر ضد کرنے لگو اور ابّا بھی وقت پر نہ پہنچ سکیں یا پھر تمھیں چھوڑ کر ہی چلے جائیں۔ نماز خدا کے دربار میں حاضری دینے کا نام ہے، اس لیے نماز کو جاتے وقت خاموشی اور سنجیدگی سے راستہ طے کرنا چاہیے۔ جاتے وقت بے کار باتیں مت کرو، بلکہ حمد کے یہ کلمے یاد کر لو، نماز کو جاتے اور لوٹتے وقت ان کو پڑھتے رہو۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ
اِلَّا اللّٰہُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ
وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اس کا مطلب ہے:

"خدا بہت بڑا ہے، خدا بہت بزرگ ہے، خدا کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، اللہ بہت بڑا ہے اور ساری تعریف خدا ہی کے لیے ہے۔"

جب عیدگاہ پہنچو توکسی مناسب جگہ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔اگر نماز شروع ہونے میں دیر ہو تو بھی پڑھتے رہو۔ بیٹھنے کے لیے لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا بہت بُری بات ہے۔ خیال رکھو کہ کسی ایسی جگہ مت بیٹھو،جہاں سے لوگوں کو تمھیں پھلانگ کر آگے جانا پڑے۔ جب نماز شروع ہونے لگے تو صف کو سیدھا کر کے کندھے جوڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔ قریب قریب کھڑے ہونے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے اور خدا بھی خوش ہوتا ہے۔

اب عید کی نماز شروع ہوتی ہے۔ جب امام صاحب اللہ اکبر کہیں تو تم ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ پھر ہاتھ باندھ کر سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھو۔ اس کے بعد امام صاحب تین مرتبہ اور اللہ اکبر کہیں گے، دو مرتبہ ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دو، تیسری مرتبہ ہاتھ باندھ کر امام کو الحمد پڑھتے سنو، پھر باقی نماز اسی طرح پڑھی جاتی ہے جیسے اور نمازیں۔ دوسری رکعت میں جب امام صاحب قرأت ختم کر چکیں گے تو چار مرتبہ اللہ اکبر کہیں گے، پہلے تین مرتبہ ہاتھ کانوں تک لے جا کر چھوڑ دو اور چوتھی مرتبہ رکوع میں جاؤ۔ نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنا نہیں چاہیے، بلکہ سنجیدگی اور خاموشی سے خطبہ سننا چاہیے۔ خطبہ کے بعد دعا میں شریک رہو اور پھر اٹھ کر سب سے عید ملو۔

یہ تو تم پہلے پرچے میں روزے پر مضمون کے سلسلہ میں پڑھ چکے ہو کہ روزہ کا مقصد انسان میں اچھے اخلاق پیدا کرنا اور بری باتوں سے بچنے کی عادت ڈالنا ہے، روزہ سے یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ آئندہ اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔

دیکھو تم عید کے روز اچھے کپڑے پہنتے ہو اور پھر اس بات کا اتنا خیال رکھتے ہو کہ کپڑوں پر کہیں کوئی داغ دھبہ نہ پڑ جائے، انسان کو اپنے اخلاق کی بھی ایسی ہی فکر کرنی چاہیے۔ عید کے روز اور اس کے بعد بھی اس کا خیال رکھو کہ کہیں جھوٹ بول کر، کسی کو تکلیف پہنچا کر یا بڑوں کی نافرمانی کر کے خدا کو ناخوش نہ کر دو۔

عید کے روز سب بچوں کو عیدی ملتی ہے بچے عام طور پر ان پیسوں کو فضول کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں، یہ بڑی بُری بات ہے۔ ان پیسوں سے کوئی اچھی سی کتاب خرید لو یا پھر سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ گھر کے سب بچے پیسے جمع کر لیں اور اسکول کے کسی غریب بچے کی فیس یا کتابوں کا انتظام کر دیں۔ اس سے خدا خوش ہوگا۔ بازاری چیزیں خرید کر کھانے سے صحت بھی خراب ہو جاتی ہے۔

★ ★ ★

ایک لکڑہارا اور گڑیا



میرزا ادیب

مدّت ہوئی کسی شہر میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ غریب آدمی تھا۔ ہر روز صبح سویرے اٹھ کر جنگل میں جاتا تھا۔ لکڑیاں کاٹتا تھا اور انھیں بیچ کر جو کچھ کماتا تھا اس سے گزر کر لیتا تھا۔ ایک دن جو وہ جنگل میں گیا اور لکڑیاں کاٹنے لگا تو یکایک اس کی نظر کچھ دور ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ "ہیں یہ کیا ہے؟" اس نے سوچا۔ پاس جا کر دیکھا تو یہ ایک بڑی خوب صورت گڑیا تھی۔ لباس رنگ برنگا اور بے حد پیارا اور آنکھیں ستاروں کی طرح روشن اور شفاف۔ اس نے گڑیا کو وہیں پڑے رہنے دیا اور اپنا کام کرنے لگا۔ جب لکڑیاں اچھی خاصی تعداد میں جمع ہو گئیں تو انھیں باندھ کر شہر میں لے گیا۔ انھیں بیچا اور گھر آ کر کھا پی کر بڑے اطمینان سے سو گیا۔ گڑیا کا خیال ہی اس کے ذہن سے نکل چکا تھا۔ دوسرے دن جو وہ پھر جنگل میں گیا اور روزمرّہ کا کام شروع کرنے ہی والا تھا کہ پھر وہی گڑیا نظر آ گئی۔ اب کے اس نے سوچا یہ گڑیا کوئی لڑکی بھول گئی ہے۔ اگر یہاں پڑی رہی تو کوئی جانور چیر پھاڑ دے گا بہتر ہے کہ اسے اٹھا کر گھر لے جاؤں اور کسی غریب بچّی کو دے دوں۔ خوش ہو جائے گی۔ چناں چہ اس نے گڑیا کو اٹھا لیا اور جب لکڑیاں باندھ کر

شہر کو چلا تو وہ گڑیا بھی اس کے پاس موجود تھی۔

گھر پہنچ کر اس نے گڑیا کو بڑی احتیاط سے ایک صندوق میں بند کر دیا تاکہ گرد و غبار سے میلی نہ ہو جائے۔ رات روٹی کھا کر بستر پر جو گیا تو سو ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے عین سامنے سنہری بالوں والی ایک پری کھڑی تھی۔

"فرمایئے! کیسے آنا ہوا!" لکڑہارے نے پوچھا۔

پری بولی، "آج آپ جنگل سے ایک خوب صورت گڑیا لائے ہیں۔ لائے ہیں نا؟"

لکڑہارا بولا، "جی ہاں لایا تو ہوں۔ کیا یہ آپ کی ہے؟"

اس پر پری بولی، "نہیں، میری تو نہیں، مگر میں اسے لینا ضرور چاہتی ہوں۔ مجھے بہت پسند ہے۔ اس کے بدلے میں موتیوں کا یہ ہار آپ کو دے دیتی ہوں۔ بڑا قیمتی ہار ہے، آپ اسے بیچ کر ہزاروں رُپے لے سکتے ہیں۔ یہ جو ہر روز محنت مزدوری کرتے ہیں، اس سے آپ کو نجات مل جائے گی۔"

لکڑہارے نے کہا، "جب یہ گڑیا آپ کی نہیں ہے تو میں آپ کو کیوں کر دے سکتا ہوں؟ یہ گڑیا کسی طرح بھی آپ کو نہیں مل سکتی۔ اُسی کو ملے گی جس کی ہے۔"

پری نے کہا، "دیکھیے غلطی نہ کیجیے، آپ کے لیے یہ ایک سنہری موقع ہے۔ آپ کو ہر روز کی مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا۔"

لکڑہارا بولا، "محنت کوئی مصیبت نہیں ہے۔"

جب پری نے یہ الفاظ سنے تو مایوس ہو کر چلی گئی اور لکڑہارا دروازہ بند کر کے اپنی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ ایک بار پھر دستک ہوئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہی پری پھر آئی ہے اور اب بھی گڑیا ہی کے لیے کہے گی، مگر میں اسے گڑیا ہرگز ہرگز نہیں دوں گا خواہ ایک چھوڑ دس ہار دینے پر تیار ہو جائے۔ خیر اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اب کے بھی اس کے سامنے ایک پری کھڑی تھی، مگر اس کے بال سنہری نہیں تھے۔ کالے سیاہ تھے، چمکتے دمکتے ہوئے۔ وہ لکڑہارے کو دیکھ کر بولی، "میاں لکڑہارے میں نے سنا ہے کہ تم جنگل سے ایک گڑیا لائے ہو۔ یہ مجھے دے دو۔" لکڑہارے نے پوچھا، "یہ گڑیا آپ کو کیوں دوں؟" وہ بولی، "اس لیے دو کہ اس کے بدلے میں مَیں تمھیں بادشاہ کے ہاں ملازم کرا دوں گی، بادشاہ کے باغوں کی رکھوالی کرنا اور بڑے ٹھاٹ سے زندگی بسر کرنا۔ اچھے سے اچھا کھانا ملے گا۔ اعلا سے اعلا کپڑا۔ رہو گے بھی شاہی محل میں اور

کیا چاہیے تمھیں، تمھارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔"
لکڑہارا بولا، "وہ گڑیا آپ کو بالکل نہیں مل سکتی، کیوں کہ آپ کی نہیں ہے۔ میں لالچی نہیں ہوں کہ ملازمت کے لالچ میں آکر کسی کا حق آپ کو دے دوں۔ جائیے تشریف لے جائیے۔" پری نے اسے بہتیرا سمجھایا، لیکن وہ نہ مانا اور وہ پری بھی ناامید ہو کر چلی گئی۔ لکڑہارا بڑے مزے سے جا کر سو گیا۔

کئی دن گزر گئے۔ لکڑہارا روز جنگل میں جاتا اور لکڑیاں بیچ کر گزر بسر کرتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ اپنی گلی سے باہر نکل رہا تھا کہ اس نے ایک چھوٹی سی لڑکی دیکھی، جو اپنے مکان کے سامنے کھڑی رو رہی تھی۔ لکڑہارے نے پوچھا، "اچھی بیٹی! بات کیا ہے، رو کیوں رہی ہو؟" لڑکی بولی، "میری گڑیا کوٹھے پر پڑی تھی۔ مانو اٹھا کر لے گئی ہے اسے چیر پھاڑ دے گی۔" اور یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔ لکڑہارے نے اسے دلاسا دیا۔ اسے گھر لے آیا۔ صندوق سے گڑیا نکالی اور اسے دے دی۔ لڑکی کبھی گڑیا کو دیکھتی تھی اور کبھی لکڑہارے کو۔ جیسے کہہ رہی ہو، یہ پیاری گڑیا آپ نے سچ مچ مجھے دے دی ہے یا یوں ہی دکھا رہے ہیں۔ لکڑہارا اس کی بات سمجھ گیا۔ اس نے لڑکی کو پیار کیا اور اسے اس کے گھر چھوڑ آیا۔ دل میں بہت خوش تھا کہ اس نے ایک اچھا کام کیا ہے۔ پریوں کے لالچ میں نہیں آیا۔

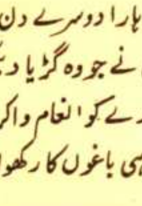
دوسرے دن لکڑیاں کاٹنے جنگل میں گیا تو اس درخت کے نیچے جہاں اسے پہلے گڑیا ملی تھی، ایک اور گڑیا پڑی ہوئی ملی، جو پہلی گڑیا سے بھی زیادہ خوب صورت تھی۔ وہ گڑیا دیکھ ہی رہا تھا کہ سامنے سے وہی دو پریاں آئیں۔ ایک سنہری بالوں والی اور دوسری کالے بالوں والی۔

دونوں لکڑہارے کو مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔

سنہری بالوں والی پری بولی، "یہ گڑیا آپ اٹھا لیں۔ یہ آپ کی ایمان داری اور دیانت داری کا انعام ہے۔ ہم نے آپ کو لالچ دیا، مگر آپ لالچ میں نہیں آئے۔"

دوسری پری بولی،
"یہ گڑیا آپ شہزادی کو دے دیجیے، کیوں کہ اس کے سوا اور کوئی اسے خرید نہیں سکتا۔" یہ کہہ کر دونوں پریاں غائب ہو گئیں۔

لکڑہارا دوسرے دن شاہی محل میں پہنچا، شہزادی نے جو وہ گڑیا دیکھی تو بے حد خوش ہوئی۔ لکڑہارے کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا اور شاہی باغوں کا رکھوالا بھی بنا لیا!





بچوّں کا طرحی مُشاعرہ

صوفی تبسم

سکریٹری بزم :

بہنو اور بھائیو! چند دن ہوئے ہماری انجمن نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک طرحی مشاعرہ کیا جائے اور اس میں شہر کے بڑے بڑے شاعروں کو بلایا جائے۔ آپ یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ انہوں نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور آج وہ سب کے سب یہاں موجود ہیں۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے مہمانوں میں جناب میر سلوٹ صاحب ہمارے دوست میاں ٹوٹ بٹوٹ کے والد بزرگوار ہیں۔ انھیں علمی اور ادبی محفلوں سے گہری دل چسپی ہے۔ میں آپ لوگوں کی اجازت سے ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور صدارت فرمائیں۔

(تالیاں)

صدر :

خواتین وحضرات! میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں کہ مجھے آپ نے مشاعرہ میں شریک ہونے کے لیے بُلایا اور پھر صدارت کرنے کی عزت بخشی۔ میں اس عزت کے قابل تو نہیں ہوں، لیکن آپ کی محبت اور تپاک کو دیکھ کر میں نے حامی بھرلی۔

وقت ہو چکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے اور شاعروں کے درمیان کوئی رکاوٹ ڈالوں۔ میں مشاعرے کو شروع کرتا ہوں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس مشاعرے کے لیے جو طرح دی گئی ہے وہ ہے :

ع "شعر کہنے لگا ہے ٹوٹ بٹوٹ"

اس وقت شاعروں کی فہرست میرے سامنے ہے۔ اس میں یہ نام درج ہیں :-

۱۔ جناب جمّن
۲۔ گڈّو صاحبہ
۳۔ جناب میاں مٹّھو
۴۔ جناب نظر بٹّو

سب سے پہلے میں گڈّو صاحبہ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور اپنا کلام سنائیں

(تالیاں)

گڈّو : مطلع عرض کیا ہے،

کیا خبر تم کو کیا ہے ٹوٹ بٹوٹ — اک عجیب ٹوٹنا ہے ٹوٹ بٹوٹ

(داد)

وہ ہلاتے ہی چیخ اٹھتا ہے — بالکل اک جھُنجھنا ہے ٹوٹ بٹوٹ
اور کچھ بھی وہ کھا نہیں سکتا — مار کھا کر پلا ہے ٹوٹ بٹوٹ
اُس میں ہڈّی نہ اُس میں بوٹی ہے — دال کا شوربا ہے ٹوٹ بٹوٹ
صورت اس کی بہت ہی پیاری ہے — ورنہ بالکل گدھا ہے ٹوٹ بٹوٹ

شعر سُن سُن کے میرے اے گڈّو
شعر کہنے لگا ہے ٹوٹ بٹوٹ

(تالیاں)

صدر : اب میں جناب جمّن کو زحمت دوں گا کہ وہ تشریف لائیں اور اپنے شعروں سے ہمیں محظوظ فرمائیں۔

(تالیاں)

بچوں کا طرحی مشاعرہ

جمن :۔ عرض کیا ہے۔

شعر کہنے لگا ہے ٹوٹ بٹوٹ — آج شاعر بنا ہے ٹوٹ بٹوٹ
باتیں کرنے کی اُس کو عادت ہے — ورنہ اچھا بھلا ہے ٹوٹ بٹوٹ
سال میں ایک روز پڑھتا ہے — سال بھر کھیلتا ہے ٹوٹ بٹوٹ
ایسے لگتا ہے رو رہا ہے وہ — اصل میں رو رہا ہے ٹوٹ بٹوٹ
یونہی عینک لگائی ہے اس نے — آنکھ سے دیکھتا ہے ٹوٹ بٹوٹ

شعر سُنتا ہے جب وہ جمّن کے
شوق سے جھومتا ہے ٹوٹ بٹوٹ

(تالیاں)

صدر :۔ اب میں میاں مٹھو صاحب سے التماس کروں گا کہ وہ آئیں اور اپنا کلام سنائیں۔

میاں مٹھو:۔

گول اور زرد سا ہے ٹوٹ بٹوٹ — رس بھرا مالٹا ہے ٹوٹ بٹوٹ
جب وہ پیدا ہوا تو ٹوٹ ہی تھا — دوسرے دن بنا ہے ٹوٹ بٹوٹ
اصل میں وہ تو ایک لڑکی تھا — یوں ہی لڑکا بنا ہے ٹوٹ بٹوٹ
صبح کو ایک ننھا منا تھا — شام تک بن گیا ہے ٹوٹ بٹوٹ
ٹوٹیاں یا بٹوٹیاں جو ہیں — اُن میں سب سے بڑا ہے ٹوٹ بٹوٹ

سچ کہا تو نے اے میاں مٹھو
رس بھرا مالٹا ہے ٹوٹ بٹوٹ

(تالیاں)

صدر : اب جناب نظر بٹو صاحب تشریف لاتے ہیں۔

نظر بٹو :

گرچہ چھوٹا بڑا ہے ٹوٹ بٹوٹ — ہر جگہ ایک سا ہے ٹوٹ بٹوٹ
گیند بلے کا وہ کھلاڑی ہے — ٹسٹ ہی کھیلتا ہے ٹوٹ بٹوٹ
کام آتا نہیں ہے یاروں کے — کس مرض کی دوا ہے ٹوٹ بٹوٹ
جسم پہ اُس کے کوئی ماس نہیں — چیل کا گھونسلا ہے ٹوٹ بٹوٹ

ہمدرد نونہال فروری ۱۹۶۵ء

بچّوں کا طرحی مشاعرہ

جس طرف بھی گیا نظر بٹّو
راستے میں ملا ہے ٹوٹ بٹوٹ

(تالیاں)

سکریٹری: حضرات! اس سے پہلے کہ مشاعرہ ختم ہو میں جناب صدر سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست کروں گا کہ وہ ایک آدھ شعر ہمیں سُنائیں۔

سامعین: ہاں، ہاں، ضرور، ضرور

صدر: بہنو اور بھائیو! میں شاعر تو نہیں ہوں، لیکن چونکہ آپ اصرار کرتے ہیں اور مشاعرہ سُن کر میری طبیعت بھی جوش پر آئی ہے، اس لیے محض آپ کی خوشی کی خاطر ایک شعر نذر کرتا ہوں:-

شعر کہتا ہے، لوگ سنتے ہیں
ورنہ کس کام کا ہے ٹوٹ بٹوٹ

(تالیاں)

صدر: خواتین و حضرات! آج کا مشاعرہ بہت کامیاب رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے شعرا نے اچھے اچھے شعر ہمیں سُنائے اور آپ نے دل کھول کر انہیں داد دی۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے بُلا کر اس محفل میں شریک ہونے کا موقع دیا اور صدارت کرنے کی عزت بخشی۔

یہ مجلسِ شعرا اب ختم ہوتی ہے! خدا حافظ

(بہ شکریۂ ریڈیو پاکستان لاہور)

ماسٹر: (جاوید سے) بتاؤ بانگِ درا کس نے لکھی تھی؟

جاوید: اقبال نے

قریب ہی اقبال نامی طالبِ علم بیٹھا ہوا تھا، اس نے جلدی سے کہا۔ جناب میں نے نہیں لکھی۔

ماسٹر: تو کس نے لکھی تھی؟

اقبال: میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے نہیں لکھی، جاوید جھوٹ بولتا ہے۔

(عبدالستار عادل۔ گوادر)

جیٹ طیّارے

علی ناصر زیدی



راکٹ اور جیٹ طیّاروں کے اُڑنے کا اُصول ایک ہی ہے۔ دونوں کا انحصار جوابی قوت پر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ راکٹ میں آکسی جن کی ضروری مقدار ساتھ رکھی جاتی ہے، لیکن جیٹ طیارہ ضرورت بھر آکسی جن ہَوا سے حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راکٹ فضا کی اِنتہائی بلندیوں میں بھی پرواز کر سکتا ہے، جہاں ہَوا کا وجود ختم ہو جاتا ہے، لیکن جیٹ طیارہ ہَوا کے حلقے سے باہر نہیں نکل سکتا۔

جیٹ طیّاروں کا رواج ۱۹۳۳ء میں شروع ہوا، لیکن عملی کامیابی چار سال بعد حاصِل ہوئی اور مزید چار سال بعد ایسے ایک طیارے نے فضا میں پرواز کی۔ جیٹ انجن اپنی بناوٹ میں پٹرول انجن کے مقابلے میں بہت سادا ہوتا ہے۔ ہر جیٹ طیارے کے اگلے حصّے میں ہَوا کے داخِل ہونے کی جگہ ہوتی ہے۔ جیسے ہی ہوا کی رَو اندر داخِل ہوتی ہے، اُسے سب سے پہلے دباؤ ڈالنے والے ایک پُرزے سے واسطہ پڑتا ہے۔

یہ ایک پنکھا ہوتا ہے، جو ہَوا کو سیدھا گزرنے سے روکتا ہے۔ وہ اُسے

بڑے زور سے چکّر دیتا ہے اور اُسے کِسی ایک ایسے چیمبر میں داخِل کرتا ہے، جس میں جلنے کا عمل جاری رہ سکے۔ اِسی چیمبر یا خانے میں ایندھن داخِل ہوتا رہتا ہے اور ہَوا اس میں شامِل ہوتی رہتی ہے۔ اِس طرح یہ مُرکّب آگ پکڑتا ہے اور چیمبر کے اندر درجۂ حرارت بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیس بڑے زور سے پھیلتی ہیں اور اس چیمبر سے بڑے زور سے باہر نکلتی ہیں۔ یہ گیسیں ایک ٹربائن کے پنکھوں کے بیچ سے گزرتی ہیں اور اسے تیزی سے گھماتی ہیں۔ بالکل اسی طرح، جیسے ہَوا کے ذریعے آٹا پیسنے کی چکّی چلتی ہے۔

یہی گیسیں ٹربائن کے علاوہ اس پنکھے کو بھی چلاتی ہیں، جس سے شروع میں ان کا واسطہ پڑا تھا اور جو انھیں قوت دینے کے لیے ذمّے دار ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور گیسوں کی ایک تیز دھار طیارے کے عقب سے باہر نکلتی رہتی ہے۔ اِس کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ طیارہ آگے بڑھتا ہے۔ یہ اِحتیاط کی جاتی ہے کہ پیچھے سے نکلنے والی گیسوں کی مقدار، حجم اور رفتار میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہونے پائے ورنہ طیارے کی قوت میں بھی فرق پڑتا رہے گا۔

جیٹ انجن کی سَادگی اور زبردست قوت کی وجہ سے اسے پٹرول سے چلنے والے انجن پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جیٹ انجن میں کل پُرزوں کی تعداد کم ہوتی ہے، اس لیے گھِسنے گھسانے سے نقصان بھی کم رہتا ہے۔ اُسے اتنے عمدہ ایندھن کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، پٹرول انجن کے لیے ضروری ہے۔ جیٹ انجن میں اگر کوئی نقص ہے تو یہ کہ وہ تھوڑی اونچائی پر ایندھن کی زبردست مقدار خرچ کر دیتا ہے۔ اُسے اونچا اُڑنے کے لیے استعمال کیا جَاتا ہے۔ یہیں وہ راکٹ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

راکٹ اور جیٹ کے اصُولوں کی مدد سے صرف آسمان پر ہی تیز رفتاری کے نئے ریکارڈ قائم نہیں کیے گئے، بلکہ خشکی پر بھی موٹر کاروں میں انھیں آزمایا گیا۔ سمندر پر بھی راکٹ

کے اصول پر تیزی اور آسانی کے ساتھ طویل سفر طے کیے جا سکتے ہیں - موٹر کار کی مثال لیجیے - وہ اس ڈنڈے کا کام کرسکتی ہے، جو راکٹ میں لگا ہوتا ہے اور اس کے انجن کو راکٹ کا سر سمجھا جا سکتا ہے - یہی مثال بحری جہاز کے سلسلے میں پیش کی جا سکتی ہے -

اوپل اور چند دوسرے انجنیئروں نے راکٹ کو موٹر کار چلانے کے لیے استعمال کیا - یہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے - راکٹ موٹر کار کے پچھلے حصّے میں رکھا گیا، لیکن یہ تجربہ کچھ زیادہ کام یاب ثابت نہ ہوا - کار کے پچھلے حصّے سے دھوئیں اور گرد و غبار کا ایک زبردست بادل اٹھا، جو راہ گیروں کے لیے سخت تکلیف دہ ثابت ہوا -

راکٹ کار کی رفتار اتنی زیادہ تیز ہوگئی کہ وہ قابو سے باہر ہونے لگی اور اس پر بریک لگانا مشکل ہوگیا - چند سیکنڈ میں ہی اس کی رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ تک پہنچ گئی - جب تک راکٹ کا ایندھن جلتا رہا، یہ رفتار قائم رہی اور جیسے ہی وہ ختم ہوا، کار کھڑی ہوگئی - اس تجربے سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ایک گھنٹے کا سفر طے کرنے کے لیے بھی بارود کی زبردست مقدار ساتھ رکھنی پڑے گی - اس کا وزن خود ایک مسئلہ بن گیا -

اوپل نے اپنے تجربات جاری رکھے - اِس موٹر کار کے علاوہ اُس نے ایک ایسی ریل کار بنائی، جو ڈیڑھ سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے چل سکتی تھی - ۱۹۲۹ء میں ایک اور موجد میکس ویلیر نے ایک ایسی برفانی گاڑی بنائی، جو برف پر راکٹ کی مدد سے ڈھائی سو میل فی گھنٹے کی رفتار حاصل کر سکتی تھی -

یہ شخص اِسی قسم کے تجربات میں ہلاک ہوگیا - اس وقت جیٹ طیارے فضائی پرواز کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور بس -



جسم کی صفائی

یکتا امروہوی



کب میں بے کار وقت کھوتا ہوں سو کے اٹھتے ہی منھ کو دھوتا ہوں
دانت ہر روز صاف کرتا ہوں کب میں اس کے خلاف کرتا ہوں
صاف پانی سے پھر نہاتا ہوں تولیے سے بدن سُکھاتا ہوں
ہے صفائی سے مجھ کو رغبت خاص صاف رہنا ہے میری عادت خاص
جب بھی بڑھ جاتے ہیں مرے ناخن مجھے ان کے تراشنے کی دُھن
دھبّے کپڑوں پہ ڈالتا کب ہوں ہاتھ دھونے کو ٹالتا کب ہوں
کھیلتا کب ہوں گندگی کے کھیل صَاف لڑکوں سے بس ہے میرا میل

صاف رکھتا ہوں اپنا جسم تمام
اب کے لوں گا صفائی کا انعام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آدابِ مجلس

(۱) اپنے پاس بیٹھنے والوں کی عزت کرو۔ اُن کے اچھے بُرے کا خیال رکھو۔ اُن کے لئے تکلیف برداشت کرو۔ ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس سے کسی کو دُکھ ہو۔ ایسی کوئی حرکت نہ کرو جس سے کسی کو رنج پہونچے۔ تم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو ہر ایک کیلئے رحمت ہو۔ زحمت کسی کے لئے نہ ہو۔

(۲) آپ کی مجلس علم و حیا اور تہذیب و ادب کی مجلس ہونی چاہئے جس میں اہلِ علم کی قدر ہو۔ بڑوں کا احترام ہو۔ ہم عمروں کی عزت ہو۔ چھوٹوں پر مہربانی اور شفقت ہو۔ جو بات ہو کار آمد ہو۔ مومن کی شان یہ ہے کہ اُس کا کوئی کام بیکار اور کوئی بات لایعنی نہ ہو۔ مومن باحیا اور باکار ہوتا ہے۔ نہ اُس کا کوئی عمل بیکار ہوتا ہے نہ کوئی بات فضول!

(۳) مجلس کی تمام باتیں امانت ہیں۔ اُن کو باہر نہ پھیلاؤ۔ رازکی بات ہمیشہ راز میں رکھو۔ سینۂ مومن گنجینۂ اسرار ہوتا ہے۔

(۴) مجلس میں کسی سے غلطی یا کوئی بے ہودہ حرکت ہو جائے تو اُسے مجلس ہی تک رکھو باہر کہیں بھی اسکو زبان پر نہ لاؤ، عفو و درگزر اور پردہ پوشی جس کی خواہش دوسروں سے رکھتے ہو پہلے خود اس پر عمل کرو۔ تمہارا رب ستّار و غفّار ہے۔ تم بھی باوقار، پردہ دار اور چشم پوش بنو۔

(۵) خوش طبعی جائز ہے، ہنسی مذاق بھی کر سکتے ہو، مگر شرط یہ ہے کہ کسی کی توہین نہ ہو۔ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ کسی کی غیبت اور پیٹھ پیچھے بُرائی نہ ہو چغلی نہ ہو۔ جو کچھ زبان سے نکلے وہ سچ ہو۔ ہنسی مذاق میں بھی سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ سچا مومن وہ ہے جس کی ہر بات میں سچائی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی بہت مذمت کی ہے۔ جو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے۔ جہاں ایمان و اسلام ہے وہاں جھوٹ اور فریب کبھی نہیں آسکتا۔

(۶) بیشک یہ ضروری ہے کہ جب بولو سچ بولو۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ جو سچ ہو اُسے ضرور بولو۔ کوئی سچ ایسا بھی ہوتا ہے جس سے دوستوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے، بھائی سے بھائی کٹ جاتا ہے۔ چشم پوشی۔ اور پردہ داری یہ ہے کہ ایسے سچ کو پردہ میں رکھو اور اصلاحِ حال کی کوشش کرو۔ مومن مصلح ہوتا ہے۔ وہ مفسد کبھی نہیں ہو سکتا۔

(۷) مجلس میں بیٹھ کر کانا پھوسی مت کرو۔ اگر کچھ آدمی الگ بات کر رہے ہیں تو اُن کی بات میں دخل مت دو۔ اگر آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں تو چوری سے اُن کی باتیں نہ سُنو۔ ایسے شخص کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ پگھلایا جائے گا۔

(۸) مجلس صاف ستھری رہنی چاہئے۔ کچھ نہ ہو صرف فرشِ زمین ہو تو اُسے بھی صاف رکھو۔ بدن کے کپڑے پیوند لگے ہوں یہ عیب نہیں۔ عیب کی بات یہ ہے کہ کپڑے گندے ہوں۔ بدن میلا ہو۔ منھ سے بُو آرہی ہو۔ اللہ تعالیٰ اُن کو پسند کرتا ہے جو خوب صاف ستھرے رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو کا شوق تھا۔ آپ نے فرمایا۔ پاکی جزوِ ایمان ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۹) مجلس کا حلقہ بڑا بناؤ۔ کھل کر بیٹھو۔ ایک دوسرے میں گھُس کر اور بلا ضرورت دَب بچ کر مت بیٹھو البتہ اگر کوئی آئے تو اُس کے لئے گنجائش نکالو۔ مومن کی ہر ادا میں فراخی حوصلہ اور وسعتِ نظر نمایاں ہونی چاہئے۔

(۱۰) ایک ہی حلقہ میں مل جل کر بیٹھو۔ الگ الگ ٹکڑیاں بنا کر بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ایک قسم کی دہقانیت ہے، وحدت اور اجتماعیت کو ہر جگہ نمایاں کرو۔

(۱۱) مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ۔ گردنوں کو پھاندنا مکروہ ہے۔ یہ بھی خیال رکھو کہ جہاں بیٹھ رہے ہو وہ کسی اور کی جگہ تو نہیں ہے۔ صاحبِ مجلس کی جگہ پر اُس کی اجازت کے بغیر بیٹھنا درست نہیں ہے۔

(۱۲) دو آدمیوں کے بیچ میں اُن کی اجازت کے بغیر گھُسنا، یا کسی کو اُٹھا کر اُس کی جگہ بیٹھنا۔ ایک طرح کا ظلم ہے یہ شرعاً ممنوع ہے۔

(۱۳) مجلس میں پاؤں پھیلانا خلافِ تہذیب ہے جگہ نہ ہو تو پلوتھا مارنا بھی درست نہیں ہے۔

(۱۴) کسی کے کپڑوں کو یا کسی کی چیز کو بلا اجازت مت چھیڑو۔ یہ تو بہت ہی غلط بات ہے کہ مذاق میں کسی کی کوئی چیز چھپا لو جس سے اس کو پریشانی ہو۔ ایسا میں گناہ بھی ہوتا ہے۔

(۱۵) ایسی جگہ نہ بیٹھو جہاں کچھ دھوپ اور کچھ سایہ ہو اس سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶) مجلس میں بیٹھ کر قہقہے مارنا۔ آنکھ ناک سے دُوسروں کو اشارے کرنا۔ بلا ضرورت کھانسنا کھنکارنا جمائی لینا خلافِ تہذیب اور بدتمیزی کی باتیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ کوئی ہنسی کی بات ہوتی تو آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر جمائی آئے تو موھنہ پر ہاتھ رکھ لو۔ ہا، ہا، مت کرو، یہ شیطانی آواز ہے۔ بہتر ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لو۔

(۱۷) چھینک آئے تو جہاں تک روک سکو روکو۔ مجبور ہو جاؤ تو دوسروں کے سامنے سے موھنہ پھیر کر چھینکو، موھنہ پر ہاتھ بھی رکھ لو تاکہ کسی پر چھینٹ نہ جائے۔ اور چھینکنے کے بعد کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (اللہ کا شکر) سننے والے کو چاہئے کہ جواب دے۔ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ (اللہ آپ پر رحم کرے) پھر چھینکنے والے کو کہنا چاہئے یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ (اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھینک کا جواب دینے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ اگر چھینکنے والا غیر مسلم ہو تو یہ کہنا چاہئے یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ (اللہ تعالیٰ تمہیں سیدھا راستہ دکھائے — اور تمہاری حالت درست کرے)

(۱۸) سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ راستے کے کنارے مت بیٹھو۔ اگر بیٹھنا ہی ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔ راستے کا حق یہ ہے۔ نگاہ نیچی رکھو، کسی پر بُری نظر نہ ڈالو — کسی کو تکلیف مت دو۔ راستے سے کانٹے، کانچ کے ٹکڑے، اینٹ پتھر کے روڑے جن سے کسی کو تکلیف پہونچے، کیلے وغیرہ کے چھلکے جن پر پاؤں پھسلے۔ ایسی تمام چیزیں ہٹا دو۔ کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس کی ضرورت پوری کرو۔ بوجھ اٹھانے والوں کو سہارا دو۔ پوچھنے والوں کو راستہ بتاؤ۔ کوئی بُری بات دیکھو تو اُس کو روکو۔ اچھی بات بتاؤ۔

(۱۹) آپ کی مجلس ذکرِ خیر سے خالی نہ رہنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مجلس کو جو ذکرِ خیر سے خالی ہو مُردہ سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ہر وہ مجلس حسرت و ندامت ہوگی جو اللہ کے ذکر سے خالی رہی ہو۔

(۲۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف رکھتے تو زبان مبارک ذکر اللہ سے تر رہتی۔ بار بار استغفار بھی زبان مبارک پر آتا۔ آپ معصوم و مغفور تھے تب بھی ایک ایک مجلس میں ستر ستر بار استغفار آپ کی زبان مبارک سے سنا جاتا۔ استغفار بہت سے ہیں مثلاً ایک یہ ہے أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَیْهِ (میں مغفرت مانگتا ہوں اُس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو حی قیوم ہے اور اس کی طرف رجوع ہوتا ہوں) مختصر الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَتُبْ عَلَیَّ (اے اللہ میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما)

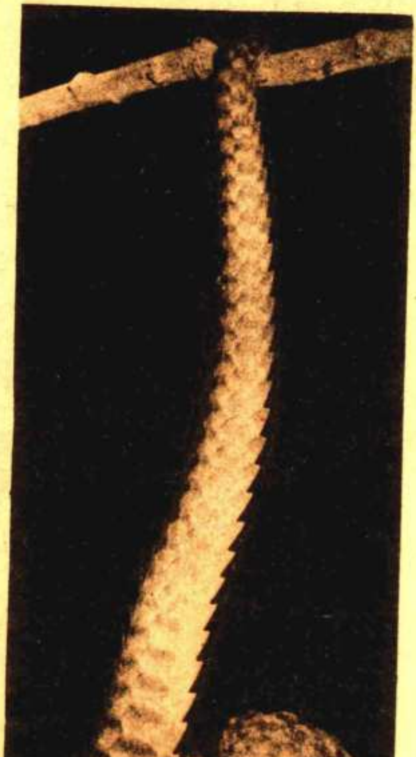
(۲۱) جب کسی بے تکلف مجلس سے اُٹھو جس میں ہنسی مذاق ہوا ہو تو یہ دعا پڑھ لو:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَیْكَ (تو پاک ہے اے اللہ۔ میں تیری پاکی بیان کرتے ہوئے تیری حمد کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔)

آدابِ گفتگو

اپنی عادت ڈالو کہ زبان شُستہ صاف اور فصیح ہو گفتگو سنجیدہ اور شائستہ ہو ہر بات سلیقہ کی ہو، موھنہ کھول کر بات کرو، اس طرح بات کرو کہ ایک ایک حرف سمجھ میں آئے ہڑبڑا ہوں کو چبا، کچھ زور سے کچھ آہستہ بات کرنا زبان پر بھی ظلم ہو اور سنّتِ رسولؐ کے بھی خلاف ہے۔ جس سے گفتگو کرو پوری طرح متوجہ ہو کر بات کرو، بات کسی سے ہو منھ کسی طرف، یہ خلافِ تہذیب بھی ہے اور خلافِ سنت بھی — کسی کی بات نہ کاٹو، جو بات کر رہا ہے اُسکی بات پوری ہونے دو، پھر ضرورت ہو تو تم بولو۔ کسی کی بات کاٹ کر یہ عذر کرنا کہ معاف فرمائیے قطع کلام ہوتا ہے۔ یہ تہذیب نما بے تہذیبی ہے۔ کوئی بات کر رہا ہو تو پہلے اُس کی پوری بات غور سے سنو پھر سمجھ کر جواب دو، بیچ میں جواب دینے کی کوشش نہ کرو، شائستگی، انصاف اور تہذیب کا یہی تقاضا ہے۔ اس طرح فضول جھک جھک سے نجات ملتی ہے۔ بیکار وقت نہیں ضائع ہوتا۔ دل میلے نہیں ہوتے۔ اس طرح سنجیدگی سے سوچ سمجھ کر بات چیت ہوتی ہے تو غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ دلوں کے غبار نکل جاتے ہیں اور آپس کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے جو بہت بڑی دولت ہے۔

(ماخوذ از ... [illegible])



یوگنڈا کا مور خور

مور خور

جو چیونٹیاں کھاتا ہے

مناظر صدیقی

ننھے میاں بڑے ضدّی تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر رونا شروع کر دیتے۔ عمر حالاں کہ آٹھ سال کے قریب تھی پھر بھی ابھی تک دُودھ پر اُن کا گزارا تھا۔ کسی اور چیز کو تو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے آج بھی ننھے میاں دُودھ کے لیے رو رہے تھے۔ اُن کی چیخ و پکار سے تنگ آ کر امّی نے بوا نصیبن کو دودھ لانے کے لیے آواز دی، لیکن بوا نصیبن جو امّی سے بہت زیادہ ڈرتی تھیں، ہانپتے کانپتے اور چوڑے چوڑے پائینچوں کا غرارہ دونوں ہاتھ سے سنبھالتے ہوئے بغیر دودھ کے اندر داخل ہوئیں۔ اب جو امّی نے دودھ کے متعلق اُن سے پوچھا تو بوا نصیبن نے بتایا کہ دودھ میں چیونٹیاں پڑ گئی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑانے لگیں کہ "بی بی! کیا کروں پہلے گھر میں چوہے بہت تھے تو میں نے بلّی کا بچّہ پال لیا تھا، لیکن یہ چیونٹیاں تو موئی کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتیں۔" بوا نصیبن کے یہ جملے شاید برابر والے کمرے میں ارشد بھائی بھی سن رہے تھے، وہ فوراً امّی کے کمرے میں داخل ہوئے

اور انہوں نے امّی سے کہا۔

" امّی! چیونٹیاں ختم کرنے کے لیے مورخور پال لیجیے۔ میں نے آج ہی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ یہ جانور چیونٹیاں کھاتا ہے۔" اس نئے جانور کے نام سے ننھے میاں بھی چونک پڑے۔ انہوں نے ارشد بھائی سے پوچھا، "یہ کیسا جانور ہوتا ہے بھائی جان؟"

اتنے میں ننھے میاں کی باجی عطیہ بھی اسکول سے لوٹ آئیں۔ عطیہ نے بھی شاید اس جانور کا ذکر سُن لیا تھا، اِس لیے اُس نے بھی ارشد بھائی سے پوچھا،

" بھائی جان کس جانور کا ذکر ہے؟ ہمیں بھی بتائیے۔"

ارشد بھائی دوڑ کر اپنے کمرے سے وہ کتاب اٹھا لائے، جس میں مورخور کا ذکر تھا اور فوٹو بھی چھپا ہوا تھا۔ ننھے میاں، عطیہ، امّی اور بوانصیبن نے یہ فوٹو دیکھا تو سب نے ایک ساتھ کہا، "یا اللہ کتنا ڈراؤنا جانور ہے۔"

بوانصیبن نے کہا، "نوج ایسا جانور میں گھر میں پالوں۔"

لیکن ارشد بھائی کو ضد تھی کہ چیونٹیاں ختم کرنے کے لیے یہ جانور ضرور پالا جائے۔ چناں چہ بڑی دیر کی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ شام کو جب ابّو جان گھر آجائیں تو اُن سے یہ جانور پالنے کی فرمائش کی جائے۔

شام کو جب ابو جان کھانا وغیرہ کھانے کے بعد بیٹھے ہوئے حقّہ پی رہے تھے تو ننھے میاں نے ابو سے کہا،

" ابّو! ہمیں چیونٹیوں والا جانور منگوا دیجیے۔"

" بھئی یہ چیونٹیوں والا جانور کون سا ہوتا ہے؟" ابّو نے ہنس کر پُوچھا۔

" واہ!" ننھے میاں نے جواب دیا، "آج ہی تو بھائی جان نے ہمیں کتاب میں دکھایا ہے۔ وہ جانور سَاری چیونٹیاں کھا جاتا ہے۔"

" اُفوہ! اب سمجھا،" ابّو نے کہا "شاید تمہیں ارشد نے مورخور کی تصویر دکھائی ہوگی!"

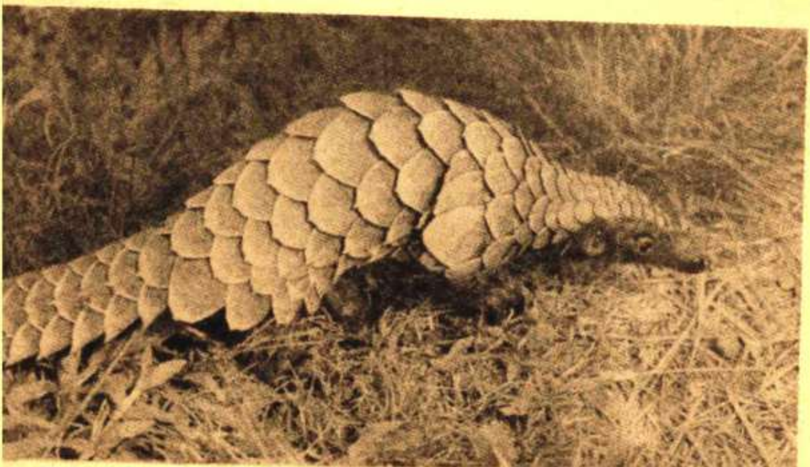
" جی ہاں ابّو جان!" ارشد بھائی نے کہا، "اُسی کے لیے ننھے میاں فرمائش کر رہے ہیں۔"

ابّو نے کہا، "لیکن بیٹے کتاب میں اُس کی تفصیل بھی تو لکھی ہوگی کہ وہ جانور کِس کِس ملک میں ملتا ہے۔"

" نہیں ابّو جان۔" ارشد بھائی نے کہا "میرے پاس جانوروں کی تصویروں والی جو کتاب ہے اُس میں مورخور کی تصویر بھی ہے اور صِرف اتنا لکھا ہے کہ یہ جانور چیونٹیاں کھاتا ہے۔"

" تو تمہیں اس جانور کے متعلق اس سے

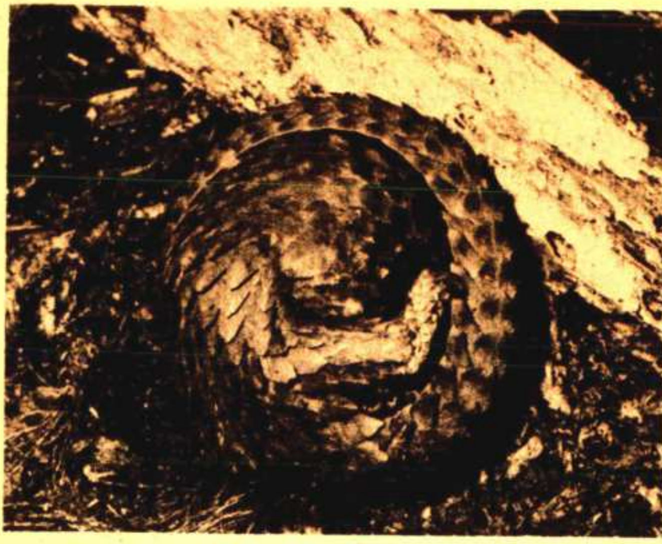
زیادہ کچھ نہیں معلوم"؟ ابو جان نے پوچھا۔
اور جب ابو جان کو معلوم ہوا کہ بچے اس جانور کے متعلق کچھ نہیں جانتے تو انہوں نے کہا "آؤ آج ہم تمہیں اس جانور کے متعلق کچھ بتائیں"
ابو جان کے یہ جملے سنتے ہی ارشد بھائی اور عطیہ نے اپنی اپنی کرسیاں ابو جان کے قریب کھسکالیں اور ننھے میاں نے ارشد بھائی کی کرسی میں حصہ بٹالیا۔
جب تینوں آرام سے بیٹھ گئے تو ابو جان نے کہنا شروع کیا:
"یہ جانور جس کی تم نے تصویر دیکھی ہے، زیادہ تر چین، ملایا، فارموسا اور نیپال وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اس کو انگریزی میں پینگولن (PANGOLIN) کہتے ہیں اور مینس (MANES) بھی کہتے ہیں۔ لاطینی زبان میں مینس کے معنی مُردوں کی رُوح کے ہیں۔ پُرانے زمانے کی لاطینی کتابوں میں مینس کو زمین کے نچلے حصے کا خدا کہا گیا ہے۔ یہ جانو
در اصل برّ اعظم ایشیا ہی کا جانور ہے۔ یورپ میں
یہ جانور ہوتا ہی نہیں، البتہ یورپ کے بعض چڑیا گھرو
میں یہ جانور خاص طور پر رکھا گیا ہے۔ انگریزوں ک
خیال تھا کہ اس کی نسل اب ختم ہوتی جارہی ہے
لیکن بعد میں جب چھان بین کی گئی تو معلوم ہوا کہ
جانور شروع سے ہی بہت کم تعداد میں پایا گیا ہے۔"
ارشد بھائی نے بیچ ہی میں سوال کیا، "ابو جا



افریقہ کا سیاہ پیٹ والا مور خور

کیا یہ جانور ایشیا کے علاوہ کسی برِاعظم میں نہیں ہوتا۔"

ابّو جان نے جواب دیا "نہیں بیٹے، ایسا نہیں ہے، مور خور دنیا کے دوسرے برِاعظموں میں بھی ملتا ہے۔ افریقہ میں اس کی ۲ دو خاص قسمیں پائی جاتی ہیں، ایک سفید پیٹ والا اور ایک



ملایا کا مور خور جو سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھتا ہے

سیاہ پیٹ والا۔ اس قسم کے جانور یوگینڈا کے مغربی ساحل پر بہت ملتے ہیں۔ یوگینڈا کے مغربی ساحل پر پائے جانے والے مور خور درختوں پر بھی چڑھ جاتے ہیں۔ مغربی افریقہ میں تو مور خور کی لمبائی ۵ فیٹ تک ہوتی ہے۔"

عطیہ نے پوچھا، "ابو جان ۵ فیٹ لمبے مور خور تو بہت تیز بھاگتے ہوں گے؟"

ابّو جان نے کہا، "نہیں، مور خور کے سامنے کے پیر تو لمبے ہوتے ہیں، لیکن پچھلے پیر بہت چھوٹے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی رفتار بہت سُست ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مور خور اپنی سُست رفتاری کی وجہ سے بہت نقصان اٹھاتا ہے۔ شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی کھال بہت سخت بنائی ہے، جو دوسرے جانوروں سے مور خور کی حفاظت کرتی ہے"

"اچھا ابو جان ایک بات تو بتائیے!" ارشد بھائی نے کہا۔

"ہاں بھئی ضرور پوچھو۔"

"ایشیا میں یہ جانور کن کن ملکوں میں پایا جاتا ہے؟"

ابو جان نے کہا، "برِاعظم ایشیا میں مور خور کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں چینی مور خور کے علاوہ ملایا کے مور خور بہت مشہور ہیں۔ یہ جانور برما، فلپائن اور بورنیو وغیرہ میں بھی ملتے

ہیں۔ ہندوستان میں مور خور کی ایک دوسری قسم پائی جاتی ہے، جو بنگال سے لے کر سیلون تک ملتی ہے۔ ملایا کے مور خور تو اتنے مشہور ہیں کہ انگریزی میں ان کے نام پینگولن کا لفظ ملایا کی زبان "ملائی" سے ہی لیا گیا ہے۔ ملائی زبان میں پینگولن کے معنے ایسے جانور کے ہیں جو لپٹا ہوا ہو یا بالکل پہیے کی شکل کا ہو۔ تم نے کبھی کنڈلی مارے ہوئے سانپ کی تصویر تو دیکھی ہوگی؟"

"جی ہاں! دیکھی ہے!" تینوں بچوں نے بیک وقت جواب دیا۔

ابو جان نے کہا، "ملایا کے مور خور بالکل اُسی انداز میں رہتے ہیں۔"

ارشد بھائی نے پوچھا، "ابو جان یہ چیونٹیوں کو پکڑتے کیسے ہیں؟ پھر چیونٹی ہمیں کاٹ لے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے انہیں کیا چیونٹی نہیں کاٹتی جب کہ چیونٹی ذرا سا چھیڑ دینے پر فوراً چمٹ جاتی ہے تو چھوڑتی نہیں۔"

"ابو نے کہا، "بھئی یہ تو تم نے بڑی اچھی بات پوچھی۔" ہوتا یہ ہے مور خور چیونٹیوں کے علاوہ دیمک بھی کھاتے ہیں۔ دیمک کے مکانات یہ اپنے سامنے کے پیروں سے توڑ دیتے ہیں۔ مور خور کی زبان بہت لمبی ہوتی ہے جو بڑی تیزی سے اندر اور باہر آتی جاتی رہتی ہے۔ ان کے حلق میں غدود ہوتے ہیں جس سے عجیب قسم کا لعاب نکل کر زبان کو چکنا کرتا رہتا ہے۔ اس لعاب کی وجہ سے چیونٹیاں مور خور کی زبان سے چپک جاتی ہیں۔ مور خور کے پیٹ کے بھی دو حصّے ہوتے ہیں۔ جن کے درمیان ایک سخت قسم کی دیوار سی حائل ہوتی ہے۔ یہ دونوں حصّے خاص قسم کے تیزابوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ چیونٹیاں مور خور کی زبان کے ذریعہ جب ان حصوں تک پہنچتی ہیں تو یہ تیزابی مادّے انھیں خود بخود گلا دیتے ہیں۔ اس لیے مور خور کو چیونٹیاں پریشان نہیں کر سکتیں۔ اگر کبھی کسی جگہ چیونٹیوں کی تعداد زیادہ ہو اور وہ مور خور کے جسم پر چڑھ جائیں تو اُن سے بچنے کے لیے مور خور کے جسم پر کچھ بال بھی ہوتے ہیں یا پھر مور خور اپنے جسم کو ایک جھٹکا دے کر ان چیونٹیوں کو نیچے پھینک دیتا ہے۔ بعض مور خور تو چیونٹیوں کو پکڑنے کے لیے درختوں پر بھی چڑھ جاتے ہیں اور بعض زمین کھود کر چیونٹیاں تلاش کرتے ہیں۔ زمین کھودنے والے مور خور اکثر ۱۲ فیٹ تک گہری زمین کھود دیتے ہیں اور نیچے پہنچ کر مزید چھ فیٹ آڑی زمین کھود کر غار بنا لیتے ہیں۔ یہ غار ان کی حفاظت کا کام بھی دیتے ہیں۔ افریقہ کے رہنے والے تو مور خور کو کھاتے بھی ہیں۔"

"اچھا، اب نو بج گئے، مور خور کے متعلق تمھیں کافی معلومات بھی حاصل ہو گئیں، اب سو جاؤ!"



سیپیاں اور گھونگھے جمع کرنا

وحیدہ نسیم

سمندر یا دریا کے کنارے ٹہلتے ٹہلتے تم نے اکثر رنگین اور چمک دار سیپی اور گھونگھوں کے خول ضرور دیکھے ہوں گے۔ ریتی میں یہ دور دور تک بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم اکثر ان کو دیکھتے ہی اٹھا لیتے ہو، پھر تھوڑی دیر کھیل کر ان کو پھینک دیتے ہو اور کبھی یہ سوچتے تک نہیں کہ یہ کیا چیزیں ہیں اور کہاں سے آتی ہیں؟

آؤ! آج ہم تم کو بتائیں کہ گھونگھے، کوڑیاں اور سیپیاں کیا ہیں؟ اگر تم ان کو بھی ڈاک کے ٹکٹوں اور تتلیوں کے پروں کی طرح جمع کرنا شروع کر دو تو یہ بھی تمہارے لیے ایک دلچسپ مشغلہ بن جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ تمہاری معلومات میں بھی اضافہ ہوگا

کراچی کے ساحل پر یہ چیزیں کثرت سے ملتی ہیں، بلکہ کلفٹن پر سمندر کے کنارے لوگ باقاعدہ ان کی دوکان لگائے بیٹھے نظر آتے ہیں، لیکن تم ان کو خریدنے کے بجائے خود جمع کرو اور ریت میں سے نکالو۔ چند ہی دن بعد تمہارے ذخیرے میں بہت سی کوڑیاں، گھونگھے اور سیپیاں ملیں گی۔

کوڑیاں

کوڑیاں سفید، بھوری، زردی مائل نیلگوں چتکبری، مختلف رنگوں اور جسامت کی ہوتی ہیں۔ یہ ایک طرف سے ابھری اور دوسری طرف سے چپٹی ہوتی ہیں۔ چپٹی طرف سے ان میں ایک گہرا شگاف ہوتا ہے جس کے کناروں پر آری نما دانت ہوتے ہیں۔

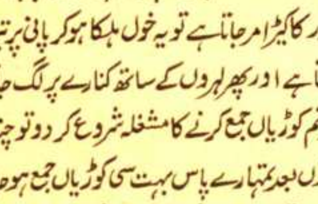
کوڑی اندر سے بالکل کھوکھلی ہوتی ہے۔ تم کو یہ معلوم



کر کے حیرت ہوگی کہ یہ ایک کیڑے کا گھر ہے۔ یہ کیڑا بھی اور کیڑوں کی طرح جاندار ہوتا ہے، پانی میں رہتا ہے اور کبھی کبھی اپنے خول سے اپنا سر باہر نکال کر دنیا دیکھ لیتا ہے۔ یہ کیڑا بہت کمزور اور غریب ہوتا ہے، لڑائی جھگڑے سے اس کو نفرت ہے۔ نہ اس کے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں جو دوسروں کو چُبھ سکیں نہ ہاتھ پاؤں، اس لیے اگر بیچارا خول کے اندر نہ رہے تو کہاں جائے؟ مگر مچھ، مچھلیاں اور دوسرے جانور ایسے ہی کیڑوں کو کھاتے ہیں، لیکن جب کوئی پرندہ یا سمندر کا جانور اس کو کھانا چاہتا ہے تو یہ جلدی سے اپنے خول میں گھُس جاتا ہے اور اس سخت خول کو چبانا یا ہضم کرنا کسی کے لیے آسان نہیں، اس لیے سب اس خول پر ہاتھ مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ کوڑی کا یہ خول کوڑی کے کیڑے کے لعاب سے بنتا ہے، بالکل اسی طرح، جیسے مکڑی اپنے لعاب سے جالا تیار کرتی ہے۔

جس طرح پرندوں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، اسی طرح کوڑیاں بھی قسم قسم کی ہوتی ہیں۔ ان میں سب کی اوپر کی پرت چمک دار اور رنگین ہوتی ہے۔ کوڑی جتنی بڑی ہوتی ہے اوپر کی پرت اتنی ہی موٹی ہوتی ہے، بلکہ بڑی کوڑیوں میں تو کئی کئی پرتیں ایک دوسرے پر چڑھی ہوتی ہیں۔ اگر ان کے اوپر کی چکنی اور چمک دار پرت کو کھرچ ڈالا جائے تو اندر سے ہلکے رنگ کی پرت نکل آتی ہے جس میں چمک نہیں ہوتی۔ تم نے اکثر کوڑیوں پر نقش و نگار بنے ہوتے یا کسی کا نام یا کوئی اور عبارت لکھی ہوئی دیکھی ہوگی۔ یہ اسی طرح سے کھرچ کر بنائی جاتی ہے اور پھر سجاوٹ کے لیے اس کو میزوں پر رکھتے ہیں۔

جب تک کوڑی کے اندر کا کیڑا زندہ رہتا ہے، کوڑی وزنی اور جاندار ہوتی ہے، لیکن جب اس کے اندر کا کیڑا مر جاتا ہے تو یہ خول ہلکا ہو کر پانی پر تیرنے لگتا ہے اور پھر لہروں کے ساتھ کنارے پر لگ جاتا ہے۔ اگر تم کوڑیاں جمع کرنے کا مشغلہ شروع کر دو تو چند ہی دنوں بعد تمہارے پاس بہت سی کوڑیاں جمع ہو جائیں گی اور تم یہ سوچ سوچ کر حیران ہوگے کہ یہ سب کیڑے کی کاریگری ہے۔



گھونگھے

کوڑیوں کی طرح گھونگھے بھی دریائی کیڑوں



کے مکان ہیں، ان میں اور کوڑیوں میں یہ فرق ہے کہ کوڑی میں صرف ایک ہی خانہ ہوتا ہے، اس کے اندر الگ الگ حصے نہیں ہوتے، لیکن گھونگھے کا خول پیچدار ہوتا ہے اور اس کا سوراخ چکر کھاتا ہوا اندر کی طرف جاتا ہے۔ گھونگھے کے خول کئی طرح کے ہوتے ہیں، چکری نما گول خول، گنبد نما خول، مینار نما خول، ان میں سے کسی نہ کسی قسم کے خول کو تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔ مینار نما خول عام طور پر ریت میں ملتے ہیں۔ دوسرے قسم کے خولوں کو اگر تم نے نہ دیکھا ہو گا تب بھی تصویر دیکھ کر پہچان لوگے۔ رہ گیا اس کے اندر کے کیڑے سے ملاقات کرنا یہ تمہارے شوق پر ہے، اگر تم ان کی کھوج میں رہو تو ایک نہ ایک دن یہ کیڑا تم کو ضرور ملے گا۔ رہنے کی جگہ کے اعتبار سے گھونگھوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو سمندر کے اندر



یا پانی میں رہتے ہیں اور صرف سیر کرنے یا ٹہلنے کے لیے کنارے پر آجاتے ہیں۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہل کر پھر گہرے پانی میں چلے جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے گھونگھے وہ ہیں جو باغوں میں نم مٹی اور ایسے حوضوں کی دیواروں کے کنارے لگے ہوئے ملتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کے خول درختوں سے ایسے چپٹے ہوتے ہیں جیسے یہ درختوں ہی سے اُگے ہوں یا پیڑ کا حصے ہوں، لیکن یہ درخت یا مٹی کا حصہ نہیں ہوتے۔ رات کے وقت یہ اپنے خول سمیت غذا کی تلاش میں ادھر ادھر نکلتا ہے۔ گھونگھا خواہ باغ میں رہنے والا ہو یا پانی میں یا جب چلتا ہے تو بڑا عجیب لگتا ہے۔ اس کا سیاہ اور گھناؤنا جسم مٹی سے رگڑ کھاتا رہتا ہے اور جسم سے چپچپا مادہ یا لعاب نکل کر مٹی یا ریت پر لکیر بناتا جاتا ہے، اور سب سے دلچسپ بات یہ ہوتی ہے کہ یہ کیڑا اپنا خول یا گھر اپنی پیٹھ پر لاد کر نکلتا ہے۔ اس بھاری بوجھ کو اٹھائے اٹھائے پھرتا ہے۔ کئی کئی کیڑے ایک ساتھ نکلتے ہیں، سب کی پیٹھ پر ان کے خول ہوتے ہیں اور



دیکھنے والوں کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خانہ بدوشوں کے قافلے اپنے ڈیرے خیمے سروں پر اٹھائے ایک بستی سے دوسری بستی میں جا رہے ہیں۔ ان کی چال اتنی سُست ہوتی ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کو چلتا پھرتا دیکھ کر اگر کوئی جانور یا پرندہ ان پر چونچ مارے تو یہ جھٹ اپنے خول میں گھس جاتے ہیں اور یہ خول بے جان جسم کی طرح ادھر سے ادھر ڈھک جاتا ہے۔ کسی کو خیال تک نہیں ہوتا کہ اس کے اندر کوئی جا[illegible]ار شے ہے۔

باغ میں رہنے والے گھونگھوں کے خول چھوٹے اور سفید ہوتے ہیں۔ ان میں رنگ یا چمک بالکل نہیں ہوتی اور جسامت میں یہ ایک انچ سے زیادہ نہیں ہوتے، لیکن دریاؤں اور سمندر میں رہنے والے گھونگھوں کے خول بہت بڑے ہوتے ہیں۔ ان کی لمبائی ایک ایک فٹ تک پہونچ جاتی ہے، ان کے اوپر کی تہ بہت موٹی ہوتی ہے اور اندر موتی کی سی چمک دار پرت ہوتی ہے۔ خول کسی بھی وضع قطع کا کیوں نہ ہو، تم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ اس کا ایک سرا چوڑا ہوتا ہے، جو چکر کھا کر بتدریج پتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گھونگھے کا بچّہ انڈے سے نکلتا ہے تو بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ جلد ہی یہ اپنے گرد مچھلیوں اور دوسرے جانوروں سے حفاظت کے لیے خول بنا لیتا ہے۔ یہ خول بھی کیڑے کی طرح چھوٹا ہوتا ہے۔ جب کیڑا جسامت میں بڑھتا ہے تو خول ناکافی ہوتا ہے، اس لیے یہ کیڑا اسی خول کو آگے کی طرف چوڑا کر دیتا ہے۔ جب چند دنوں بعد یہ بھی چھوٹا پڑنے لگتا ہے تو پھر پہلے خول کی دیوار کے ساتھ ملا کر ایک اور چوڑا حصّہ بنا دیتا ہے۔ گویا ہر وقت اپنی جسامت کے لحاظ سے خول کی لمبائی اور چوڑائی میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور پچھلے تمام خولوں کو ان ہی کے ساتھ جڑا رہنے دیتا ہے۔ مینار نما خول کو اگر تم اندر سے دیکھو تو یہی معلوم ہوگا کہ کسی مینار کے اوپر چڑھنے کا پیچ دار زینہ بنا ہوا ہے۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں دریائی اور سمندری گھونگھوں کے خول بڑے اور چمک دار ہوتے ہیں۔ ان کے اوپر بہت اچھے نقش و نگار ہوتے ہیں۔ اتنے خوب صورت کہ ان کو دیکھ کر تم حیران ہو جاؤ گے کہ آخر ایک گھناؤنے اور نکمے کیڑے نے اتنی اچھی کاریگری کس طرح کی۔ جسامت کے اعتبار سے یہ خول سانچے میں ڈھلے معلوم ہوتے ہیں۔ کسی طرف سے ٹیڑھے یا خراب نہیں ہوتے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر رہنے والا سُست اور بے ڈھنگا کیڑا ایک بہت بڑا انجینیر ہے، اس کو جامیٹری بہت اچھی آتی ہے اور اپنے گھر کا ایک ایک کونا ناپ کر بناتا ہے۔

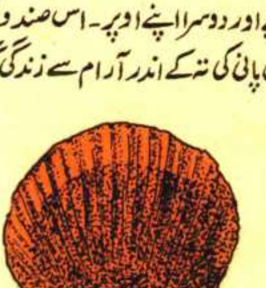
سیپیاں

گھونگھے اور کوڑیوں کی طرح ریت پر

بکھری ہوئی رنگ برنگی سیپیاں بھی مردہ کیڑوں کے گھر ہیں۔ سیپیاں چھوٹی بڑی، کالی، بھوری، سفید



چمک دار، ہر رنگ و روپ کی ملتی ہیں۔ ان میں سے اکثر سیپیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں دیکھنے میں یہ بند ڈبیا معلوم ہوتی ہیں۔ اگر ان کو کھولو تو اس طرح کھل جائیں گی جیسے کتاب کی جلد۔ کوڑی اور گھونگھے کی طرح سیپی کا کیڑا بھی جان دار ہوتا ہے۔ یہ ایک کے بجائے دو خول بناتا ہے، ایک اپنے نیچے اور دوسرا اپنے اوپر۔ اس صندوق نما خول میں پانی کی تہ کے اندر آرام سے زندگی گزارتا



ہے۔ کیڑے کے مرنے کے بعد یہ خول پانی پر تیرتا تیرتا کنارے پر چلا آتا ہے۔ جہاں ریت پر پڑے پڑے یہ سوکھ جاتے ہیں اور ان کے دونوں حصے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ جمع کرنے کے لیے تم دونوں قسم کے خول اٹھا لو۔ اس کی فکر نہ کرو کہ تم کو دو خول جڑے ہوئے ہی ملیں، کیونکہ دوسری طرف کا خول بھی بالکل ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ایک طرف کا خول جو تمہارے پاس ہے۔ سیپی کا یہ خول بھی سیپی کے لعاب سے بنتا ہے، لیکن اس کا کیڑا گھونگھے کے



کیڑے کی طرح کبھی اپنے خول سے باہر نہیں آتا۔

(۱) کراچی کے ساحل پر سے اگر تم سیپیاں جمع کرنا شروع کرو تو سب سے پہلے تم کو عام چمچہ نما سیپی ملے گی۔ کوئی چھوٹی کوئی بڑی، کوئی بند کوئی کھلی۔ ان کا خول اوپر سے خوبصورت نہیں ہوتا ہے۔ اندر کی طرف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سمنٹ کی دیوار پر چونا پھیر دیا ہے۔ اس کے اندر سیپ کی سی چمک نہیں ہوتی، لیکن جمع کرنے کے لیے تم ان کو ضرور اٹھا لاؤ۔

(۲) دوسرے قسم کی سیپی بیضوی کے بجائے گول ہوتی ہے۔ اس کا خول موٹا ہوتا ہے۔ یہ زیادہ گہری نہیں ہوتی۔ خول کے اوپر خوبصورت نقش ہوتے ہیں اور اندر سے یہ سفید ہوتی ہے۔ یہ پہلی قسم کی سیپی کے مقابلے میں زیادہ وزن دار ہوتی ہے۔ اس کے کنارے کبھی سادہ ہوتے ہیں اور کبھی کنگورے دار۔ اس کے ایک طرف ایک تکونہ کھانچہ ہوتا ہے جہاں سے یہ خول اپنے ہی جیسے دوسرے خول کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔

(۳) ساحل پر ملنے والی تیسری قسم کی سیپی اور زیادہ خوبصورت ہوگی۔ اس کی شکل بالکل پنکھیا جیسی ہوتی ہے۔ اس پر ایسی ہی خوش نما دھاریاں ہوتی ہیں جیسے ایک کھلے ہوئے جاپانی پنکھے پر، جس کو سمیٹ کر یا بند کر کے عورتیں اپنے بیگ میں رکھ لیتی ہیں۔ ان سیپیوں کے کنارے بھی خوب صورت کنگورے نما ہوتے ہیں۔ ان کی دھاریاں اُبھری ہوئی سفید اور بھوری ہوتی ہیں، اندر کی تہہ بھی صاف اور چکنی ہوتی ہے۔

(۴) چوتھے قسم کی سیپی بالکل طشتری نما گول ہوتی ہے۔ ان کے خول اندر سے صاف اور چمک دار ہوتے ہیں۔ تم نے اکثر گھروں میں ان کو طشتری کی جگہ استعمال ہوتے ضرور دیکھا ہوگا۔ چھالیا، الائچی یا پان اس میں رکھ کر پیش کیے جاتے ہیں اور کلفٹن کے دوکان دار بھی ان ہی کے اندر کوڑیاں اور گھونگھے سجا کر رکھتے ہیں۔ تم خود ان کو سجاؤ اور دیکھو کہ اس سجاوٹ میں تم کتنی جدت پیدا کر سکتے ہو۔

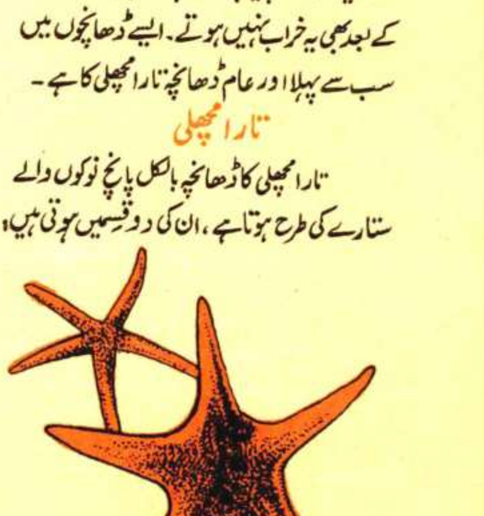
(۵) آخری قسم کی سیپی جس سے موتی نکلتا ہے، چپٹی اور بے ڈول ہوتی ہے۔ اس کا خول اوپر سے جتنا سادہ ہوتا ہے اندر سے اتنا ہی چمک دار اور خوب صورت ہوتا ہے۔ اوپر سے یہ سفید اور کھریا مٹی کی طرح زرد ہوتی ہے، لیکن اندر سے سچے موتیوں کی طرح چکنی اور آب دار۔ تم اس کی چمک دمک دیکھ کر واقعی حیران ہو جاؤ گے جب اس کے اندر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس میں دھنک کے سے سبز، بنفشی، نارنجی، نیلے اور گلابی رنگ کی باریک باریک شعاعیں بکھر جاتی ہیں۔ ان ہی کے اندر موتی بنتا ہے۔ یہ زیادہ گہری نہیں ہوتیں۔ ان کے خول موٹے ہوتے ہیں۔ اسی سیپ سے چھوٹی موٹی ڈبیاں چھریوں، چاقوؤں کے دستے، کنگھوں اور کنگھیوں پر نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ اس سیپی کا خول تم کو جہاں ملے ضرور لاؤ، مگر کسی کے گھر یا ڈرائنگ روم سے مت لانا۔ ہاں اس کی تلاش جاری رکھو، کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔

کوڑیوں، سیپیوں اور گھونگھوں کے متعلق اتنی معلومات حاصل کرنے کے بعد تم کو یقیناً ان کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہو چکا ہوگا۔ ٹکٹ اور پرندوں

کے پر جمع کرنے کی طرح ان کو جمع کرنے کا بھی ایک خاص طریقہ ہے، لیکن تم کو یہ طریقہ سمجھانے سے پہلے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تھوڑا بہت ان سمندری کیڑوں کے بارے میں بھی بتا دیں، جو خول کے بجائے ڈھانچے ہیں اور ساحل پر سیپیوں اور کوڑیوں کے ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ ان کو بھی خول کی طرح جمع کیا جا سکتا ہے۔ الماریوں میں سجایا جا سکتا ہے اور برسوں تک رکھنے کے بعد بھی یہ خراب نہیں ہوتے۔ ایسے ڈھانچوں میں سب سے پہلا اور عام ڈھانچہ تارا مچھلی کا ہے۔

تارا مچھلی

تارا مچھلی کا ڈھانچہ بالکل پانچ نوکوں والے ستارے کی طرح ہوتا ہے، ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں،



تارا مچھلی

ایک کے بیچ کا حصہ چوڑا ہوتا ہے اور بازو نکونے ہوتے ہیں، دوسرے کے بازو بہت لمبے ہوتے ہیں اور درمیان یا مرکز میں کوئی چپٹا حصہ نہیں ہوتا۔ دونوں مچھلیوں کے اوپر خوبصورت موتی نما ابھار ہوتے ہیں اور کناروں پر گاپھڑے جن سے زندہ تارا مچھلی سانس لیتی ہے۔

تارا مچھلی اور مچھلیوں کی طرح لمبی نہیں ہوتی اور نہ اس کے بدن میں سر، دھڑ اور دم میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ اس کا گوشت پوست، سر دھڑ سب کچھ اسی ستارے نما ڈھانچہ پر ہوتا ہے اور اسی لیے اس کو تارا مچھلی کہتے ہیں۔

دوسرا ڈھانچہ جو تم کو کراچی کے ساحل پر تارا مچھلی کے ساتھ ملے گا وہ ناشپاتی کی طرح گول ہوگا



ساگر بالک

اور جسامت میں ایک چھوٹی گیند کے برابر - یہ ڈھانچہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ وزن میں بالکل ہلکا، لیکن اس کے اوپر بہت خوشنما چھوٹے چھوٹے ابھار ہوتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے موتیوں کی لڑیاں خاص طور پر سجائی ہیں۔ ان بڑے بڑے ابھاروں کی دھاریوں کے بیچ میں چھوٹے چھوٹے ابھار ہوتے ہیں، جس سے اس کی خوب صورتی اور

بڑھ جاتی ہے۔ ان ہی بڑے ابھاروں کے ذریعے یہ جانور زندہ حالت میں سانس لیتا ہے۔ پانی کی رو اس کے جسم کے اندر جاتی ہے اور پھر باہر نکلتی ہے۔ مرنے کے بعد یہ ڈھانچہ پانی میں تیر کر ساحل پر آجاتا ہے۔ اس کا نام ساگر بالک (SEA URCHIN) ہے۔ یہ ڈھانچے گول، بیضوی، قلم نما اور قلب نما بھی ہوتے ہیں، لیکن چونکہ ہمارے ساحلوں پر صرف گول ڈھانچہ ملتا ہے، اس لیے ہم نے اسی کے متعلق لکھا ہے۔ اگر اس قسم کے دوسرے ڈھانچے بھی مل جائیں تو ان کو بھی جمع کرلو۔

سمندر کے کنارے کنارے ملنے والے عجائبات میں مونگے کی چٹانیں اور سمندری درخت اسپنج وغیرہ بھی ہیں، جن کی بناوٹ ان سے بھی زیادہ عجیب ہے، لیکن پہلے تم وہ چیزیں جمع کرلو جو بہت سادہ اور عام ہیں۔ آؤ اب ہم تم کو بتائیں کہ ان چیزوں کو کس طریقے سے اور کہاں جمع کرکے رکھا جائے۔

ٹکٹ جمع کرنا اور ان کو البم میں چپکانا تو بہت عام اور آسان بات ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اتنی بڑی سیپیوں، اتنی موٹی کوڑیوں اور ان لمبے لمبے گھونگھوں کو کہاں اور کیسے چپکایا جائے۔ تم واقعی ان کے متعلق ٹھیک سوچ رہے ہو اور سوچنے کی بات بھی ہے۔ اگر تمہارے دماغ میں کوئی ترکیب آگئی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہم تم کو آسان اور سادہ سی بات بتائیں:

تمہارے گھر میں شادی بیاہ کے دعوت نامے جلسوں اور محفلوں کے رقعے ضرور آتے ہوں گے، ان سب کارڈوں کو جمع کر وان کے ایک طرف عبارت لکھی ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف یہ بالکل سفید اور سادہ ہوتے ہیں۔ ان پر تم ننھے منے گھونگھے، سیپیاں اور چھوٹی چھوٹی کوڑیاں چپکا سکتے ہو۔ چپکانے کے لیے کسی اسٹیشنری کی دوکان سے "لاکھ" کا ایک قلم یا بتی لے آؤ جو سرکاری لفافوں پر مہر لگانے کے کام آتی ہے۔ لاکھ کو پگھلاکر ایک قطرہ کاغذ پر ٹپکاؤ اور اس کے جمنے سے پہلے اس پر گھونگھے یا کوڑی کو جڑ دو۔ ایک ہی طرح کی دو سیپیاں یا دو کوڑیاں تم ایک کارڈ یا گتے پر چپکاؤ، اس طرح کہ ایک سیپی کا اندرونی حصّہ دکھائی دے۔ دوسرے کے اوپر کا حصّہ۔ کوڑیوں کو بھی اسی طرح جڑو۔ ایک کوڑی کے دانت اوپر رہیں دوسری کی پیٹھ اوپر۔ اس طرح جڑنے سے تم ایک ہی وقت میں دیکھ سکو گے کہ کوڑی یا سیپی ایک طرف سے کیسی ہے اور دوسری طرف سے کیسی۔ گھونگھوں کے لیے البتہ اس کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس کے بعد تم چھوٹی چھوٹی سیپیوں کے تمام کارڈوں پر نمبر لگاتے چلے جاؤ۔ س-۱ س-۲، س-۳ وغیرہ۔ س سے مطلب سیپی کا کارڈ ہوگا۔ اسی طرح کوڑیوں پر ک-۱، ک-۲

ک ـ ۳ نمبروں کا الگ سلسلہ شروع کرو اور گھونگھوں پر الگ۔ مچھلیوں اور سمندری ڈھانچوں پر نمبر پھر ایک دو سے شروع کرو اور ڈ ـ ۱، ڈ ـ ۲ ڈ ـ ۳ لکھو، ڈ، سے مطلب ڈھانچہ ہوگا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد تم اُن بڑی بڑی سیپیوں اور گھونگھوں کو لو جو اتنے وزنی ہیں کہ کارڈ پر نہیں چپک سکتے ہیں۔ ان پر گوند سے کاغذ کا ایک چھوٹا لیبل لگا دو اور اس پر اس کا نمبر لگاؤ۔ اگر گھونگھا ہے تو گ کے آگے جو گنتی تم نے چھوٹے گھونگھوں کے بعد چھوڑی ہے وہاں سے شروع کرو۔ سیپی ہے تو س کے بعد گنتی جہاں چھوڑی ہے وہاں سے لکھو۔ یہ گنتی کہاں تک پہونچتی ہے، یہ تمہارے شوق پر ہے۔

ہر کارڈ اور لیبل کے کونے پر اپنا نام ضرور لکھو۔ اس کے بعد تم فہرست یا کیٹلاگ کی ایک کاپی بناؤ۔ شروع شروع میں تم سادہ کاغذ کی کاپی سے یہ کام نکال سکتے ہو۔ کاپی کے ہر صفحے پر دیے ہوئے خاکے کی طرح چھ خانے بناؤ، سیپیوں کے لیے الگ، ڈھانچوں کے لیے الگ، گھونگھوں اور کوڑیوں کے لیے الگ الگ صفحات رکھو۔ اب ان تمام خانوں میں لکھنا شروع کرو۔

پہلے خانے میں اگر یہ سیپی کا صفحہ ہے تو پہلی سیپی کا نمبر لکھو۔ دوسرے خانے میں اس خول کا نام لکھو کہ یہ موتیوں والی سیپی ہے یا عام سیپی ہے۔ تیسرے خانے میں اس جگہ کا نام لکھو جہاں سے یہ خول تم کو ملا ہے۔ چوتھے خانے میں اس آدمی کا نام پتہ لکھو جس نے یہ خول تم کو لاکر دیا ہے۔ اگر یہ خول تم نے خود جمع کیا ہے تو اس خانے میں اپنا نام لکھ دو۔ پانچویں خانے میں وہ تاریخ لکھو جس تاریخ تم نے یا کسی اور آدمی نے اس خول کو سمندر کے کنارے سے اٹھایا تھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ خول کتنا پرانا ہے۔ آخری خانے میں اس خول کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو اور

۱	۲	۳	۴	۵	۶
نمبر شمار	خول کا نام	تم کو یہ خول کہاں سے مِلا ہے۔	اگر یہ خول تم نے خود جمع کیا ہے تو اپنا نام لکھو ورنہ دینے والے کا نام لکھو	یہ خول تم کو کس تاریخ کو مِلا ہے؟	اس خول کے متعلق تم کو جو کچھ معلوم ہو لکھو۔

جو جو خاص چیزیں دیکھتے ہو سب لکھو تاکہ تمہاری معلومات میں اضافہ ہو اور آئندہ بھی تم تمام تفصیل یاد رکھو۔

جوں جوں یہ خول تم جمع کرتے جاؤ گے تمہاری دلچسپی میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اگر تمہارے پاس ایک ہی طرح کے کئی گھونگھے اور سیپیاں جمع ہو گئے ہوں تو تم ان کو دوسرے بچوں سے جن کو بھی شوق ہو بدل سکتے ہو بالکل اسی طرح جیسے ڈاک کے ٹکٹ بدلے جاتے ہیں۔

شروع شروع میں تم کیٹلاگ کا کام سادہ کاپی سے نکال سکتے ہو اور کارڈ پر لگے ہوئے سیپیوں اور گھونگھوں کو معمولی گتّے کے ڈبّے میں جمع کر سکتے ہو، لیکن جوں جوں ان کی تعداد بڑھے گی تمہارا دل چاہے گا کہ ان کو کہیں خوش نمائی کے ساتھ سجایا جائے اس وقت سادہ سی کاپی کا کیٹلاگ ایک خوب صورت موٹے کاغذ کے البم میں تبدیل ہو جائے گا اور سیپیاں اور گھونگھے رکھنے کے لیے تم کو ایک خاص قسم کی الماری بنانا پڑے گی، جس کے شیشوں میں سے یہ خوب صورت چیزیں نظر آتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ الماری بہت قیمتی ہو گی، اس لیے پہلے تم خاموشی کے ساتھ ان سمندری عجائبات کو جمع کرنا شروع کر دو۔ ہر ایک پر نام کی پرچی لگاؤ جب سو دو سو خول جمع ہو جائیں تو ان کو اپنے بزرگوں کو دکھاؤ، ہر سیپی اور گھونگھے کے متعلق جو کچھ تم جانتے ہو بتاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے بزرگ ضرور تم کو ایک خوبصورت "شوکیس" بنوا دیں گے، لیکن اگر یہ مضمون پڑھتے ہی تم الماری یا شوکیس کی فرمائش کرنے اپنے بڑوں کے پاس پہونچ گئے تو .... انجام تم خود سوچ لو۔

انعامی کارٹون

خالِص دُودھ

اس عنوان کے تحت دسمبر ۶۴ء کے ہمدرد نونہال میں انعامی کارٹون شائع کیا گیا تھا، اس کارٹون کے نیچے جو مکالمہ لکھا تھا، اس میں ایک خالی جگہ کو صحیح الفاظ سے پُر کرنا تھا۔ کل ۵، انو نہالوں نے اس خالی جگہ کے لیے الفاظ لکھ کر بھیجے۔ ان میں اکثریت نے "خالص دودھ" کے الفاظ لکھے ہیں، جو صحیح نہیں ہیں۔ بعض نے خالِص جھُوٹ لکھا ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

صرف ایک نونہال نے صحیح الفاظ لکھے ہیں۔ وہ الفاظ ہیں سفید جھوٹ

یہ الفاظ لکھنے والے نونہال کا نام و پتہ یہ ہے:

ساجد الرحمٰن

معرفت حافظ عطاء الرحمٰن صاحب۔ سٹی پوسٹ آفس کراچی

چوں کہ صرف ایک ہی جواب صحیح تھا، اس لیے قرعہ نکالنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ انعامی کتاب ساجد الرحمٰن کو بھیج دی جائے گی۔



سلیم نے ساٹھ اشرفیاں کمائیں

غازی کمال

ایک گاؤں میں ایک موچی رہتا تھا۔ اس کا نام لعل خاں تھا۔ اس کی ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ وہ عمدہ عمدہ جوتے بنایا کرتا تھا۔ اس لیے اس کی شہرت ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی تھی۔ لوگ میلوں دور سے جوتے خریدنے مرمت کروانے کے لیے اس کے ہاں آیا کرتے تھے۔ اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو اس کے کام میں ہاتھ بٹا سکے۔ بڑی تلاش کے بعد اس نے اپنے دوست کے لڑکے کو اپنے ہاں رکھ لیا، جو بڑا ذہین اور تیز تھا اور اس کا نام سلیم تھا۔ اس میں عیب یہ تھا کہ وہ بے پرواہ اور باتونی تھا۔ وہ کسی لمحے خاموش نہ رہتا تھا۔

سلیم کی خوش مزاجی کی وجہ سے ہر آدمی اس کو پسند کرنے لگا، یہاں تک کہ لعل خاں کی خوب صورت لڑکی بھی اسے پسند کرنے لگی۔ دن گزرتے گئے اور جب وہ کافی بڑا ہو گیا تو اس نے جمیلہ سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر لعل خاں بہت برہم ہوا اور کہنے لگا،

"تم نکمے کاہل ہو۔ تمھیں باتوں کے سوا کچھ نہیں آتا۔ میں تو اپنی لڑکی کی شادی

ایسے شخص سے کروں گا، جو کام میں تیز اور سنجیدہ ہو۔ یا اگر تم میری لڑکی سے شادی کرنا ہی چاہتے ہو تو ساٹھ اشرفیاں کما کر مجھے لادو۔"

سلیم اور جمیلہ نے لاکھ چاہا کہ لعل خاں رضامند ہو جائے، لیکن اس کے دل میں رحم نہ آیا۔ مجبور ہو کر سلیم نے طے کیا کہ شہر جا کر کسی عقل مند آدمی سے اس کے متعلق صلاح مشورہ کرے۔ یہ سوچ کر وہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کافی دور جانے کے بعد جب وہ ایک وسیع جنگل میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی۔ سلیم نے سوکھی گھاس اکٹھی کی اور اس پر سو رہا، لیکن وہ زیادہ دیر تک نہ سو سکا۔ سردی کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی اور جھینگروں کی آواز سے اُسے خوف ہونے لگا۔ کچھ فاصلے پر اسے آگ نظر آئی۔ سلیم تیزی سے اس کی طرف بڑھا تو اسے آگ کے اطراف پانچ بونے نظر آئے۔ بونوں کو دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی اور تعجب کے مارے اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ بونے خاموشی کے ساتھ ہاتھ سینکنے میں مصروف تھے۔ سلیم انھیں غور سے تکتا رہا۔ ان کے جوتے بالکل پھٹے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے انھیں پیروں میں سردی محسوس ہو رہی تھی۔ سلیم کو ان پر رحم آیا اور اس نے ایک بونے سے کہا،

"ننھے دوست تم اپنا جوتا اتار کر مجھے دو، میں اس کی مرمّت کر دوں گا۔"

بونا اس جملے سے بہت خوش ہوا۔ اب وہ دیو معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سلیم سے کہا،

"ہاں میرے ننھّے دوست تم ہی میری مدد کر سکتے ہو۔"

بونوں کی دنیا میں یہ عجیب سی بات تھی کہ جب کوئی بونا خوش ہوتا تو وہ خوشی کے عالم میں دیو کی طرح لمبا چوڑا ہو جاتا اور پھر خوشی ختم ہونے کے بعد اصلی قد میں آجاتا۔

سلیم نے اپنی جیب سے چمڑہ اور جوتے سینے کی سوئی نکالی اور تھوڑی ہی دیر میں اس نے جوتے کو بالکل ٹھیک کر دیا۔ بونے نے اپنی جیب سے بارہ اشرفیاں نکالیں اور سلیم کے حوالے کر دیں۔ سلیم اشرفیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ خوشی کی وجہ سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کے بعد دوسرے چار بونوں نے سلیم سے کہا کہ وہ ان کے بھی جوتے ٹھیک کر دے۔ سلیم نے کہا کہ اب میں بہت تھک گیا ہوں، پھر کبھی بنا دوں گا۔ اس کے انکار پر بونے اس کو جبراً اپنے ساتھ پکڑ کر لے گئے۔ بونوں کی بستی میں

پہنچ کر سلیم کو کچھ عجیب سماں نظر آرہا تھا۔ وہ اب ایک خوب صورت باغ میں تھا، جہاں رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔ چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ پھولوں کی خوشبو سے ساری فضا معطر تھی۔ سلیم کو فکر ہوئی کہ اب وہ کہاں سوئے۔ وہ اسی خیال میں تھا کہ خوب صورت پریوں کی ملکہ آئی۔ اس نے کچھ منتر پڑھے اور سلیم کا قد فوراً ہی گھٹ گیا۔ وہ اب بونے کے برابر ہوگیا تھا۔ بونوں نے اس کو گرم چائے پلائی اور کچھ بسکٹ وغیرہ کھلائے، پھر اس سے کہا کہ وہ کمرے میں جاکر سو جائے۔ سلیم کمرے میں گیا تو وہاں نرم نرم بستر بچھا ہوا تھا۔ وہ اس پر سو گیا۔

صبح ہوئی تو بونوں نے سلیم کو عمدہ ناشتہ دیا اور اس کے بعد اپنے جوتے اتار کر اس کے حوالے کیے کہ وہ اس کی مرمّت کرسکے۔ سلیم نے جوتوں کو سینا شروع کیا، لیکن اس کا دل اس کام میں بالکل نہ لگ رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ اب وہ اشرفیاں کیسے حاصل کرے گا اور اپنے گاؤں پہنچ بھی سکے گا یا نہیں۔ اس کے لیے زندگی بے مزہ ہوکر رہ گئی تھی۔ بونوں نے اس کی صورت سے اس کی پریشانی کا اندازہ کرلیا اور کہنے لگے،

"ہمارے پیارے دوست، تم بالکل نہ گھبراؤ، جیسے ہی تم ہمارے جوتے ٹھیک کرچکوگے فوراً ہی تمھارا قد پہلے کی طرح ہو جائے گا۔"

سلیم نے پوچھا کہ اس کا قد اتنا چھوٹا کیوں ہوگیا ہے۔ اس پر سب سے بڑی عمر کے بونے نے کہا،

"میرے دوست اصل بات یہ ہے کہ ہم پرستان کے بادشاہ کے لڑکے ہیں۔ یہ پریوں کی ملکہ جو آئی تھی، ہماری ماں ہے۔ بچپن میں ہم آپس میں خوب لڑا کرتے تھے۔ اس پر ناراض ہوکر ہماری امی نے بددعا دی کہ ان لڑکوں کا قد بونوں جیسا ہو جائے اور اس وقت تک ایسا ہی رہے، جب تک ان کے جوتوں کو سینے کے لیے کوئی موچی نہ آئے۔ ہم بڑی مدّت سے تمھارا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں تک دو سو سال ہوگئے اور اب تم آگئے ہو۔ ہماری ماں کو بعد میں ہم پر رحم آیا، مگر اب ہمیں اپنے اصلی قد میں لانا ان کے اختیار کی بات نہ تھی۔ تمھیں اس لیے بونا بنایا گیا ہے کہ بھاگ نہ جاؤ۔ تم جوتے بنانے میں یہاں جو دو تین گھنٹے لگاؤگے وہ تمھاری دنیا کے دو تین سال کے برابر ہوں گے۔"

یہ سن کر سلیم کی جان میں جان آئی

(باقی صفحہ ۴۵ پر)

انعامی کارٹون



اس کارٹون کا عنوان بتاؤ!

صحیح عنوان بتانے والے نونہال کو ایک اچھی سی کتاب انعام میں دی جائے گی۔ ایک سے زیادہ صحیح جواب آنے کی صورت میں انعام کے لیے ایک نونہال کا نام قرعہ سے نکال لیا جائے گا۔

نسیان



یہ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں " بھول"۔ یہ ایک بیماری ہے، جس میں آدمی کو نئی بات یاد نہیں رہا کرتی یا جو باتیں اس کے حافظے میں دبی پڑی رہتی ہیں، اُن کو بھول جاتا ہے اور ضرورت کے وقت وہ پورے طور پر ٹھیک ترتیب سے یاد نہیں رہا کرتیں یا پھر ان سے ٹھیک نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ انگریزی میں دماغ کی اس بیماری کو ایم نیسیا -- (AMNESIA) -- کہتے ہیں۔

بچّوں کے لیے یہ بڑی خطرناک چیز ہے کہ انھیں کوئی نئی بات یاد نہ رہے یا وہ پچھلی باتوں کو صحیح طرح سے ان کی آئندہ زندگی پر بڑا خراب اثر پڑ سکتا ہے۔ کوئی بھی اس وقت تک بڑا آدمی نہیں بن سکتا جب تک اس کی قوتِ حافظہ یعنی یادداشت اس کا ساتھ نہ دے۔

قدیم اطبا کی رائے میں حافظہ اُس وقت کم زور ہو کر بھول کی بیماری ہوتی ہے، جب دماغ کا جوہر، یعنی بھیجا نرم، پلپلا یا سخت اور ناقِص ہو جاتا ہے۔ قوتِ حافظے کا دوسرا نام قوتِ ذکر ہے۔ یہ دماغی قوتوں میں ایک ایسی قوت ہے، جس میں یاد کی ہوئی باتیں محفوظ رہتی ہیں۔ آپ اس کو معلومات کا خزانہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِسی سے مِلتی جُلتی آپ کے دماغ میں ایک اور قوت ہے، جس کو قوتِ فکر کہتے ہیں۔ سوچ بچار کرنا اسی کا کام ہے۔ ان کے علاوہ بھی ایک اور قوت ہے، جس کو قوتِ تخیّل کہتے ہیں۔ قوتِ متخیلہ اور متصرفہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ یہ قوت دماغ کے تمام

ظاہری اور اندرونی حواس سے محسوس کی ہوئی چیزوں میں تصرّف کرتی ہے اور مقدمات کو جما کر ان سے نتیجے نکالنے میں نفس کی مدد کرتی ہے۔ یہی وقت اپنے کام کے لحاظ سے الگ الگ ناموں سے موسوم ہوجاتی ہے، یعنی جب یہ "نفسِ ناطقہ" کی خدمت میں لگی رہتی ہے تو قوتِ فکر کہلاتی ہے اور جب وہم کی ملازمت اور کارگزاری میں ہوتی ہے تو اسے قوتِ تخیّل یا متخیلہ کہتے ہیں۔ نسیان میں یہ سب قوتیں اپنے کام کو نہیں کرسکتیں یا ان کے کاموں میں خلل پڑجاتا ہے۔ یہ تو ہوئیں آپ کی اس پرانی سائنس کی باتیں، جو لاکھوں سال سے آپ کی بیماریوں کا علاج آپ کو بتا رہی ہے اور اب بھی بوڑھی ہوجانے کے باوجود ہر ضرورت کے وقت بڑی سرگرمی سے آپ کی مدد کرتی ہے۔ اب سنیے نئی طب، یعنی ڈیکل سائنس (MEDICAL SCIENCE) کی باتیں۔ یہ نئی طب بھول کو بیماری نہیں سمجھتی، بلکہ دوسری بیماریوں کی ایک علامت، یعنی نشانی سمجھتی ہے۔

بھول کا سبب یہ ہے کہ دماغ کے پچھلے حصّے پر سردی، تری یا سردی اور خشکی غالب آجاتی ہے یا پھر دماغ کے بیچ والے حصّے پر سردی اور تری کا غلبہ ہوجاتا ہے یا دماغ کے اگلے حصّے پر سوئے مزاج سادہ یا صفراوی غالب آجاتا ہے۔

سوئے مزاج کا مطلب ہے مزاج کی خرابی۔ اگر یہ خرابی بیرونی گرمی یا سردی یا خشکی یا تری کے غلبے سے ہوتی ہے تو اسے سوئے مزاج سادہ کہتے ہیں اور اگر خون، بلغم، صفرا یا سودا کے زیادہ ہوجانے سے ہوئی ہو تو سوئے مزاج مادی سے موسوم کرتے ہیں۔

کبھی چوٹ لگنے یا گر پڑنے سے بھی بھول کی بیماری ہوجاتی ہے۔ کسی معاملے میں بہت زیادہ غور اور محویت بھی بھول کا ایک سبب ہے۔ نزلہ زکام کا ہمیشہ رہنے، دماغ کا کمزور پڑجانے اور دماغ کی عُضوی خرابی، جیسے ورم اور بلغمی سرسام کو بھی بھول کے اسباب کی فہرست میں بڑھا لینا چاہیے۔ اس کا ایک اور سبب بھی ہے، یعنی خون

میں ایک خاص قسم کے زہر کا پیدا ہو جانا۔ یہ زہر گندہ اور سڑی ہوا میں عرصے تک سانس لینے کی وجہ سے خون میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بھول کی علامت تو بالکل ظاہر ہے۔ آدمی کسی بات کو یاد نہیں رکھ سکتا، بلکہ جو باتیں پہلے سے اس کے حافظے کی اندھیری کوٹھری میں دبی دبائی پڑی رہتی ہیں، وہ بھی یاد نہیں رہتیں۔ سُنی ہوئی باتیں بھول کی نذر ہو جاتی ہیں۔ حد یہ ہے، دیکھی اور پہچانی ہوئی صورتیں تک بیمار بھول جاتا ہے۔

سردی اور تری کے غالب ہونے کی صورت میں بیمار کو نیند زیادہ آتی ہے اور سر کے پچھلے حصے میں بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ ناک سے پانی نکلتا ہے اور باتیں ذرا دیر یاد رہنے کے بعد حافظے سے غائب ہو جاتی ہیں۔ سردی اور خشکی زیادہ ہو جاتی ہے تو نیند کم آتی ہے۔ حلق اور ناک میں خشکی رہتی ہے۔ بات کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، قبض ہوتا ہے، بیمار کے سب حواس اچھے ہوں، یعنی وہ جو کچھ دیکھتا اور سنتا ہو، بالکل ٹھیک دیکھتا اور سنتا ہو، مگر دیکھی اور سنی ہوئی ہر بات بھول جاتا ہو تو سمجھ لیجیے کہ اس کی قوتِ ذکر میں خرابی ہے اور یہ خرابی دماغ کے پچھلے حصے میں ہے۔ اگر آدمی مختلف باتوں کو ترتیب دے کر کسی معاملے کا فیصلہ کرنے سے مجبور ہو اور کسی نتیجے پر بھی نہ پہنچ سکے تو سمجھیے کہ "قوتِ فکر" میں کوئی خرابی آگئی ہے اور اس کی جگہ دماغ کا درمیانی حصہ ہے۔ دیکھی ہوئی چیزیں یاد نہ رہتی ہوں۔ سوتے ہوئے خواب کم دکھائی دیتے ہوں، وہ بھی صبح اٹھنے کے بعد یاد نہ رہتے ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ قوتِ تخیّل میں خرابی آئی ہے اور دماغ کا اگلا حصہ بیماری کا گھر ہے۔

بھول کا علاج یہ ہے کہ سودا، سردی، تری پیدا کرنے والی چیزوں سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ رنج، فکر اور سخت صدموں، نیز گندی اور سڑی ہوئی ہوا میں دیر تک قیام کرنے سے بچا جائے، حافظہ بڑھانے والی ترکیبوں پر کبھی کبھی عمل پیرا ہوں،

یعنی کبھی کوئی تحریر یاد کی ہو تو اُسے دہرائیں یا گزرے ہوئے دو تین دن میں جو کام کیا ہے، اُسے یاد کرنے کی کوشش کریں، عطر اور دوسری خوش بوئیں سونگھیں۔ صبح یا شام کو کھلی ہوا میں سیر و تفریح کریں۔ غذائیں ایسی کھائیں، جن سے دماغ کو قوت حاصل ہو اور بہت سا تازہ تن درست خون دماغ کی طرف جائے۔

علاج کا سب سے بڑا اور مناسب ڈھنگ یہ ہے کہ اصل سبب معلوم کرکے اُسے دور کرنے کی کوشش کریں، چوں کہ بھول کی بیماری اکثر سردی، تری اور گاڑھی رطوبت کے زیادہ ہونے سے ہوا کرتی ہے، اس لیے مواد کو پکا کر مسہل دیں۔ نزلہ، زکام ہمیشہ رہتا ہو اور دماغ کم زور ہو تو اس کا مناسب اور بہتر علاج کریں۔ یہ سب کام طبیب کے مشورے ہی سے کیے جا سکتے ہیں۔ دماغ کی کم زوری میں بادام، کِش مِش اور دوسرے بیجوں اور مغزیات کا حریرہ بنا کر صبح کے وقت پینا بہت فائدہ دیتا ہے۔ طب کی ایک مشہور اور مرکب دوا ہے، خمیرہ گاؤ زبان عنبری، بہت میٹھی اور مزے دار ہوتی ہے، اس کو پانچ ماشے کی مقدار میں صبح کو اور رات کو سوتے وقت اِطریفل اسطخودوس ۶ ماشے کھا لیا کریں۔ قبض رفع کرنے کے دوسرے تیسرے دن اطریفل زمانی ۶ ماشے کھا لینا بہتر ہے۔ سر پر روغن لبوب سبعہ یعنی ساتوں بیجوں کا تیل ملنا چاہیے۔

بھول کے لیے ایک اور معجون نہایت مفید ہے۔ اس کا نام ہے، معجون بولس۔ یہ معجون ۵-۶ ماشے کی مقدار میں صبح کو کھا لیا کریں۔

ایک بوٹی دماغ کو طاقت دینے میں بے حد مفید ہوتی ہے۔ نام غالبًا تم نے بھی سُنا ہوگا "برہمی بوٹی" اس کی گولیوں سے بھول اور دماغ کی کم زوری دور ہوجاتی ہے۔ نسخہ یہ ہے:۔

حبِ برہمی، برہمی بوٹی، اسطخودوس، دارچینی کندر، مصطگی بچھ، سلاجیت خالص، کشتہ مرجان، ہر ایک ۶ ماشے، چھوٹی الائچی کے دانے، سونٹھ، سیاہ مرچ، ہر ایک ۳ ماشے کوٹ چھان کر پان کے عرق میں کھرل کر کے ۴-۴ رتی کی گولیاں بنالیں اور ایک گولی

تھوڑے سے مکھن میں رکھ کر کھالیں ، اوپر سے مغز بادام ، ماشے، مغز کدو ۳ ماشے ، مغز ۳ ماشے ، دانہ الائچی خورد ایک ، مرچ سیاہ ، عدد پانی میں پیس چھان کر پی لیں۔

ڈاکٹری دواؤں میں فاسفولیسی تھین مفید ہے۔ اس کا ایک یا نصف چھوٹا چمچہ پی لینا چاہیے۔ اس میں فاسفورس اور لیسی تھین شامل ہیں۔ یہ دونوں دوائیں دماغ کے لیے نہایت فائدہ مند ہیں۔ لیسی تھین تو دماغ کی ساخت یعنی بناوٹ میں بھی کام آتی ہے۔

غذا میں چوزہ یا بکرے کا شوربہ چپاتی سے کھانا چاہیے۔ بکری کا تازہ بھیجا گھی میں بھون کر کھانا بہت فائدہ دیتا ہے۔ دودھ اور خشکہ بھی کھایا جاسکتا ہے۔ ترکاریوں میں خرفہ، پالک اور کدو بہتر ہیں۔ اخروٹ ، بادام ، چلغوزہ اور منقٰی بھی ناشتے میں کھانی چاہیے۔

سرد ہوا اور ٹھنڈے پانی سے نہانے سے پرہیز کریں۔ سنترہ ، بیر، امرود، ناشپاتی ، چائے ، لہسن ، پیاز اور ثقیل چیزوں سے بھی بچنا چاہیے۔ افیون ، بھنگ اور دوسری نشہ آور چیزوں کے قریب نہ جائیں۔ زیادہ پڑھنے سے بھی پرہیز کریں۔

لطیفہ

کس بینڈ پر کون سا اسٹیشن

ایس۔ خورشید

ایک شخص نے ایک ریڈیو خریدا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ کون سے میٹر اور کون سے بینڈ پر کس اسٹیشن کو سُنا جاسکتا ہے۔ اس نے اپنے لڑکے کو پڑوسی کے ہاں (جس کے گھر ریڈیو تھا) معلوم کرنے بھیجا۔ جب وہاں لڑکے نے دریافت کیا تو اس گھر کی عورت نے جواب دیا ، ارے ... اتنا نہیں جانتے ، سنو، جب کراچی سننے کی خواہش ہو تو ریڈیو پر کراچی لگا لو اور جب سیلون سننے کی خواہش ہو تو سیلون لگا لو۔ اسی طرح جس اسٹیشن کو سننے کی خواہش ہو، لگا لیا کرو۔ سمجھے ؟ جاؤ بھولنا مت ؟

ہیرا



ہیرے جواہرات معدنیات میں شمار ہوتے ہیں یعنی وہ چیزیں، جو کانوں سے نکلتی ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا ہیرا ۱۹۰۵ء میں جنوبی افریقہ میں ملا تھا۔ اس کا وزن تین ہزار ایک سو چھے قیراط، یعنی تقریباً ڈیڑھ پونڈ تھا (ہیرے قیراط میں تولے جاتے ہیں) اس ہیرے کا نام "کلی نان" رکھا گیا۔ اس ایک ہیرے سے نو اچھے خاصے بڑے ہیرے اور کئی چھوٹے جواہرات حاصل کیے گئے۔

ہیروں کو تراش کر خوب صورت بنایا جاتا ہے۔ دنیا میں بہت سے بڑے ہیرے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک "اسٹار آف ساؤتھ افریقہ" یعنی "جنوبی افریقہ کا تارا" کہلاتا ہے۔ اس کا وزن پانچ سو سولہ قیراط ہے اور وہ برطانوی بادشاہوں کے عصا کی زینت بنا ہوا ہے۔ ایک اور افریقی ہیرا، جس کا وزن تین سو قیراط ہے، اس تاج میں جڑا گیا تھا، جو ملکہ وکٹوریہ کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

کسی بھدے ہیرے کو تراش کر چھوٹے خوب صورت جواہرات میں تبدیل کرنے کے لیے مہارت اور کاری گری کے علاوہ بڑے استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر اوقات کاری گر کو ہیرے کو صرف دیکھنے بھالنے میں ہی ایک سال لگ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس پر ایسے نشانات ڈالتا ہے اور خطوط کھینچتا ہے، جہاں سے کاٹنے پر اس سے نہایت چمک دار جواہرات حاصل ہوں گے۔ پہلی کاٹ سب سے اہم ہوتی ہے۔ اگر وہ

ٹھیک نہ رہے اور ہیرا چٹخ جائے تو لاکھوں کی چیز کوڑیوں کی رہ جاتی ہے۔

ہیرا دنیا میں سب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ اُسے کاٹنے کے لیے بڑے تیز اوزار استعمال کیے جاتے ہیں۔ مشہور "ورگس" ہیرے کو کاٹنے کے لیے ایک ماہر کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس ہیرے کی قیمت سات لاکھ ڈالر تھی۔ جب کاری گر نے اُسے کاٹنے کا کام شروع کیا تو وہ بڑا گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے ہیرے کو سخت موم میں جکڑ دیا، تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے۔ اس کے بعد فولاد کا ایک تیز اوزار اپنے ایک ہاتھ سے ہیرے پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے لکڑی کی موگری اوزار پر ماری اور جب دیکھا کہ ہیرا بالکل ٹھیک کٹا ہے تو خوشی کے مارے فوراً مرگیا۔

ہیرے جواہر قیمتی زیوروں میں استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن اب انھیں صنعت و حرفت میں بھی استعمال کیا جارہا ہے، کیوں کہ وہ نہایت سخت ہوتے ہیں۔ ان سے دوسری سخت چیزیں کاٹی جاتی ہیں۔ ہیرا ہی ایک ایسی چیز ہے، جو صرف ایک عنصر سے بنا ہے۔ یہ عنصر ہے کاربن۔ اس کا تعلق کوئلے سے ہوتا ہے، اِس لیے اگر اُسے زیادہ گرمی پہنچائی جائے تو وہ جل جائے گا۔

کالا ہیرا غیر خالص ہوتا ہے۔ اُسے کاربونیڈو بھی کہتے ہیں۔ اُسے زیورات میں استعمال نہیں کیا جاتا۔ وہ سُوراخ کرنے والے اوزاروں، چکریوں اور ایسی تیز آریوں کے لیے نہایت موزوں رہتا ہے، جو سنگ مرمر اور دوسرے سخت پتھر کاٹنے کے لیے اِستعمال کی جاتی ہیں۔

سب سے بڑے سیاہ ہیرے کا وزن تین ہزار اٹھتّر قیراط ہے۔ وہ افریقہ میں ملا تھا اور صرف سولہ ہزار ڈالر میں فروخت کردیا گیا۔ اگر اسے کاٹ کر صنعتی ضروریات کے لیے فروخت کیا جاتا تو لاکھوں ڈالر ملتے۔

شاید تم یہ دریافت کرو کہ ہیرا اتنا قیمتی کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دنیا میں ہیروں کی کانیں بہت کم ہیں۔ زیادہ تر ہیرے افریقہ سے نکالے جاتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جو چیز کم ہوتی ہے، اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ ہیرے میں بلا کی چمک ہوتی ہے، اِسی لیے اُسے زیورات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اِس

کے علاوہ صنعت و حرفت میں بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ بے اِنتہا سخت ہوتا ہے۔ اس کی جگہ کوئی دوسری چیز استعمال نہیں کی جاسکتی۔

ہیرے کانوں کے علاوہ کبھی کبھی زمین پر پڑے ہوئے بھی مل جاتے ہیں، جس طرح مرغیاں سنگریزے کھا لیتی ہیں، اسی طرح افریقہ کے شتر مرغ کبھی کبھی چھوٹے موٹے ہیرے نگل جاتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ انھیں شکار کرکے ان کا پیٹ چیر کر دیکھتے ہیں کہ اندر کوئی ہیرا تو موجود نہیں۔ ایک مرتبہ ایک شتر مرغ کے معدے سے پچاس سے زیادہ ہیرے نکلے تھے۔

زمرد ایک ایسا پتھر ہے، جو ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اسے اکثر "شاہی پتھر" کہا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر شمالی برما اور ترکستان کے چشموں یا پتھر کی کانوں میں ملتا ہے۔ وہاں سے اُسے کٹوانے اور پالش کرانے کے لیے چین لے جایا جاتا ہے۔

زمرد بے حد سخت ہوتا ہے اور اس پر بڑے خوب صورت رنگ جھلکتے ہیں۔ اس سے مختلف شکلیں، کانوں کا زیور، پیالے اور گل دان وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کاری گر ایک تار اِستعمال کرتا ہے اور کئی کئی دن تک اُسے زمرد پر رگڑتا رہتا ہے، تب کہیں وہ کٹتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک خراد کی مدد سے پتھر کے ان ٹکڑوں کو خوب صورت شکل دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں زمرد کے دو ٹکڑے ایسے نہیں مل سکتے، جن کے نشانات قطعی ایک جیسے ہوں۔

بقیہ "سلیم نے ساٹھ اشرفیاں کمائیں"

اور اس نے دل لگا کر جوتوں کو بہترین طریقے سے بنایا۔ جوتوں کی مرمت کے بعد چار بونوں نے خوش ہو کر بارہ بارہ اشرفیاں اور دیں۔ اس طرح اس کے پاس ساٹھ اشرفیاں ہوگئیں۔ ننھے میزبانوں نے اس کو کئی تحفے بھی دیے اور اسے الوداع کہا۔ سلیم وہاں سے سیدھا اپنے گاؤں آیا۔ جمیلہ نے اسے دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اب لعل خاں کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ اس نے اتنی ساری اشرفیاں پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ اب وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ سلیم میں بھی سنجیدگی اور متانت آگئی تھی، اب وہ محنتی بھی ہو گیا تھا۔

لعل خاں نے جمیلہ اور سلیم کی شادی کردی اور تینوں ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔



جگنو چمک رہا ہے

قادر غوثی





دادی اماں:

جنگل میں پیارے بچّو! یہ روشنی سی کیا ہے

سب بچّے:

جگنو چمک رہا ہے، جگنو چمک رہا ہے

دادی اماں:

چھا جائے جب اندھیرا
بھٹکی ہو کوئی چڑیا
اور اپنے گھونسلے کی
بھولی ہو راہ چڑیا
ایسے میں اس کو کس نے رستہ دکھا دیا ہے



سب بچّے:

جگنو چمک رہا ہے، جگنو چمک رہا ہے

جگنو چمک رہا ہے

دادی اماں :

ٹوپی میں لال خاں کی
یہ کیا چھپا ہوا ہے
جیسے کسی کے گھر میں
کوئی دیا جلا ہے
اِس شان سے بتاؤ یہ کون آرہا ہے



سب بچّے :

جگنو چمک رہا ہے، جگنو چمک رہا ہے

دادی اماں :

خوش بو سے آج سارا
گلشن مہک رہا ہے
پھولوں کی ٹہنیوں پر
بلبل چہک رہا ہے
ایسے میں کوئی ان کو چھپ چھپ کر دیکھتا ہے

سب بچّے

جگنو چمک رہا ہے، جگنو چمک رہا ہے



اخبار نونہال

فضا کی طرف سفر



کِس چیز سے کِس کا شِکار ؟



اس تصویر میں پانچ جانور ہیں
اور ان میں ہر ایک کو شکار
کرنے کے لیے پانچ ہی چیزیں
بھی ہیں - ذرا بتاؤ تو کہ کِس
چیز سے کِس جانور کا شکار
کروگے ؟

دُو تصویریں ایک جیسی



تمھارے سامنے آٹھ تصویریں ہیں -
ذرا پہچانو تو ایک ہی جیسی دُو
تصویریں کون کون سی ہیں ؟

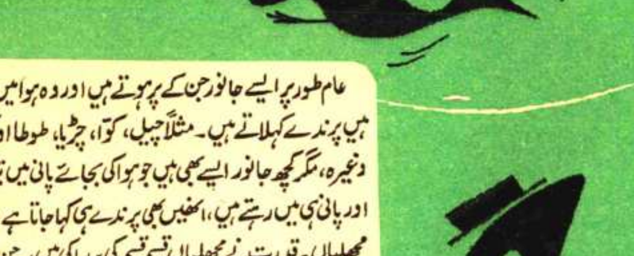
خالد خلیل نعمانی



عجیب و غریب آبی پرندے



عام طور پر ایسے جانور جن کے پر ہوتے ہیں اور وہ ہوا میں اڑتے ہیں پرندے کہلاتے ہیں۔ مثلاً چیل، کوّا، چڑیا، طوطا اور کبوتر وغیرہ، مگر کچھ جانور ایسے بھی ہیں جو ہوا کی بجائے پانی میں تیرتے اور پانی ہی میں رہتے ہیں، انھیں بھی پرندے ہی کہا جاتا ہے، مثلاً مچھلیاں۔ قدرت نے مچھلیاں قسم قسم کی پیدا کی ہیں، جن میں اکثر نہایت عجیب و غریب، خوش نما بھی ہیں اور بدنما بھی بعض ایسی ایسی خوفناک ہیں کہ اُن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے



ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی ایسی حیرت ناک بھی ہیں کہ انھیں دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ایسی ہی عجیب و غریب اور حیرت انگیز مچھلیوں میں ایک مچھلی تو ایسی ہے کہ اپنی قسم

کی بالکل انوکھی ہے۔ پانی کی تہ میں جہاں کسی بڑے سے بڑے ماہر تیراک کا بھی گزر نہیں ہو سکتا یہ پلک جھپکنے میں ہوا تی ہے۔ بلا کی تیز رفتار اور چست و چالاک ہے۔ وہ عام طور پر پانی کے کیڑے مکوڑے کھا کر گزارہ کرتی ہے، بس یہی اس کی خوراک ہے۔

اس مچھلی کا قاعدہ یہ ہے کہ جب اُسے بُھوک لگتی ہے، وہ غذا کی تلاش میں اپنے گھونسلے سے نِکلتی ہے اِدھر اُدھر اپنے شکار کو دیکھتی ہے اور جب اسے ایسی کوئی شے ہاتھ



نہیں آتی کہ جس سے وہ اپنی بھوک مٹائے تو اپنے پروں کو سمیٹ کر پانی کی تہ میں آن کی آن میں یوں جا پہنچتی ہے، جیسے کوئی تیز رفتار پرندہ ایک لمحہ یا ثانیہ میں ایک شاخ سے اُڑ کر دوسری شاخ پر جا بیٹھتا ہے اور اپنی خوراک اکھٹی کرنے لگتا ہے۔

یہ عجیب و غریب مچھلی وزن میں اتنی ہلکی ہوتی ہے کہ اگر وہ پانی میں اُترتے ہوئے اپنے جسم کا جھکاؤ یا بوجھ نیچے کی طرف نہ ڈالے تو دباؤ کے نہ ہونے سے وہ آپ سے آپ اچھل کر پانی کی سطح پر اس طرح اُبھر آتی ہے کہ جس طرح بجلی کا بٹن دبانے سے ہر طرف آن کی آن میں برقی رَو دوڑ جاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس مچھلی کو بھی جوڑا جوڑا

پیدا کیا ہے، یعنی ان میں بھی ایک نر ہے اور ایک مادہ ہے۔ نر مچھلی کا کام ہے کہ وہ انڈوں کو سینتی ہے۔ جب انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں تب انھیں اپنی نگرانی میں لے کر پرورش کرتی ہے اور اس وقت تک برابر ان کے ساتھ رہتی ہے کہ جب تک وہ پل پُس کر بڑے نہ ہو جائیں۔

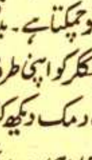
بچوں کو بہ نسبت باپ کے ماں سے زیادہ پیار ہوتا ہے، بالکل اسی طرح سے ان بچوں کو بھی اپنے باپ سے زیادہ ماں سے پیار ہوتا ہے۔ چنانچہ جب مادہ مچھلی خوراک حاصل کرنے کے لیے اپنے آشیانے سے نکلتی ہے تو یہ بھی چپکے چپکے اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں، لیکن نر مچھلی تیزی سے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیتی ہے اور انھیں اپنے منھ میں دبوچ کر پھر وہیں گھونسلے میں لے جا کے رکھ دیتی ہے اور جب تک مادہ مچھلی واپس نہ آجائے برابر ان پر پہرہ لگائے بیٹھی رہتی ہے۔

پانی کے پرندوں میں سے اسی طرح کا ایک عجیب و غریب سا قصہ گھونگھے کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گھونگھے کی ماں اس کے باپ کی پشت پر انڈے دیتی ہے اور گھونگے کا باپ انھیں اُس وقت تک اپنی پیٹھ پر لیے لیے پھرتا ہے کہ جب تک ان میں سے بچے نکل نہ آئیں۔

اسی طرح کہتے ہیں کہ نر آبی اسپ اپنے معدے میں ایک چھوٹی سی تھیلی رکھتا ہے، جس میں مادہ آبی اسپ کے انڈے محفوظ رہتے ہیں اور جب تک اُن میں سے بچے نکل نہیں آتے وہ برابر اُن کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔

علاوہ اس کے کچھ عجیب و غریب ایسی مچھلیاں بھی ہیں، جو سمندر کے پانی کی اتنی گہرائی میں رہتی ہیں کہ اُن کے اردگرد چاروں طرف کا وہ پانی جہاں وہ رہتی ہیں بالکل سیاہ معلوم ہوتا ہے۔ ان مچھلیوں میں ایک کا نام اینگلر ہے، جو بہت ہی عجیب و غریب واقع ہوئی ہے۔

کہتے ہیں اینگلر کے عین منھ کی طرف باہر کو نکلے ہوئے سر کے سینگ کی طرح ایک سلاخ ہوتی ہے۔ جب اینگلر ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بڑھتی ہے تو وہ سلاخ یوں چمکنے لگتی ہے، جیسے تاریک شب میں جگنو چمکتا ہے۔ بدقسمتی سے جب کوئی دوسری مچھلی اینگلر کو اپنی طرف آتے دیکھتی ہے تو وہ اس کی چمک دمک دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھتی ہے، مگر جوں ہی وہ اینگلر کے قریب پہنچتی ہے، اینگلر فوراً اُسے نگل جاتی ہے۔



عجیب و غریب گھنٹہ!

کوپن ہیگن (ڈنمارک)، کے ایک ٹاؤن ہال میں ایک عجیب و غریب گھنٹہ نصب ہے، جس کے متعلق یہ قیاس ہے کہ وہ آئندہ تین سو سال تک صرف ۱۰ء۴/۱ سیکنڈ آگے جائے گا۔ اس گھنٹے کا وزن تقریباً ۴ ٹن ہے اور اس کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱ پُرزے ہیں۔ یہ ایک ڈچ گھڑی ساز "جینیز اولسن" کی تمام عمر کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس کے خاص حصّے ہیں۔ سب سے بڑا حصّہ (ڈائل)، مقامی وقت بتاتا ہے۔ ایک دُوسرا ڈائل زمان فلکی (وقت، جو کہ ستاروں سے ناپا جاتا ہے) بتاتا ہے اور تیسرا ڈائل سورج کے حساب سے وقت بتاتا ہے۔ گھنٹے کا سب سے زیادہ شان دار وہ حصّہ ہے، جو کہ ۳۱ دسمبر کو رات کے بارہ بجے پانچ منٹ کے لیے کام کرتا ہے۔ اس کے نتائج پانچ مختلف ڈائلوں اور ایک مستطیل شکل کے کیلنڈر پر ظاہر کرتے ہیں۔ وہ ڈائل اور کیلنڈر سال، ہفتے کے دن اور مہینے کا نام ظاہر کرتے ہیں۔ اس گھنٹے سے مقامی وقت دنیا کے ہر حصّے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ڈچ گھڑی ساز اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ کہتے ہیں۔



گڑیا کی شادی

دُولھا، دُلہن، سمدھنیں، قاضی جی اور براتی

شیر ببر، جو افریقی جنگل کا بادشاہ تھا



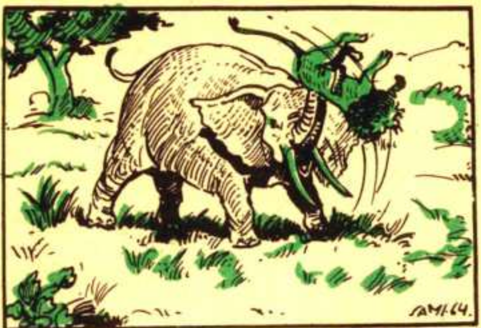
اینو افریقی جنگل کا بادشاہ تھا۔ چرند، پرند سب ہی اس کے خوف سے کانپتے تھے۔ اس کی ملکہ اور دو بچّے بھی بڑی شان سے کچھار میں رہتے تھے۔ رینو کی دھاڑ سے جنگل میں دہشت کے مارے سناٹا چھا جاتا تھا۔



شیرنی ہی اکثر شکار میں پہلی کرتی تھی۔ رینو بھی اپنی ملکہ کے ساتھ شکار میں حصّہ لیتا تھا اور پھر سب مل کر خوب مزے سے شکار کھاتے تھے۔



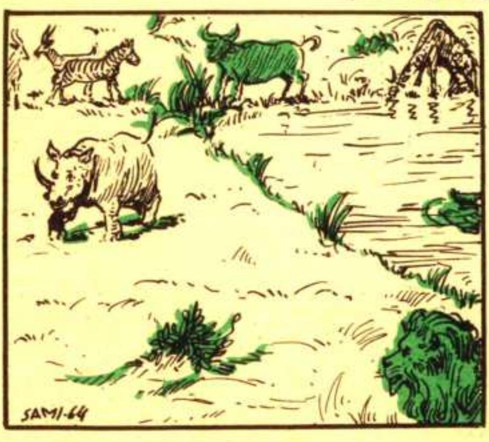
گرمی اپنے شباب پر تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ رینو کچھار سے نکلا، چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور زور سے دھاڑا۔ گرج سے زمین و آسمان ہل گئے۔ رینو بڑے شان سے گردن اٹھائے کھڑا تھا۔



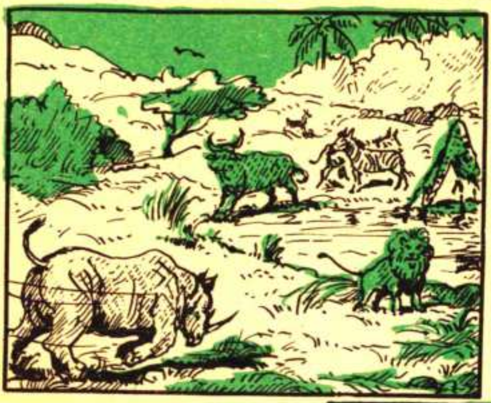
سامنے ہاتھیوں کے غول سے نکلا
ہوا شیر ببر ہاتھی تیر کی طرح رینو
کی طرف لپکا اور آن کی آن میں
اپنی سونڈ میں لپیٹ کر رینو کو
آسمان کی طرف اچھالا اور زمین
پر دے مارا۔



ہاتھی نے اپنے سر سے رینو کو رگڑنا
چاہا۔ زور میں آکر جو زمین پر سر
مارا تو اس کے بڑے دانت دھنس
گئے اور رینو کو اس کے چنگل سے
نکل کر بھاگنے کا موقع مل گیا۔
رینو دوڑ کر جنگل میں غائب ہو گیا۔



رینو کو پیاس معلوم ہوئی تو وہ دریا
کے کنارے چلا گیا۔ چاروں طرف
ہرن، زیبرا، گینڈے، ارنے بھینسے
ہری ہری گھانس چر رہے تھے۔



رینو سوچنے لگا کہ کہیں گینڈا اس پر حملہ نہ کر دے، اور واقعی گینڈے نے حملہ کر ہی دیا اور تیزی سے رینو کی طرف اپنے سینگ نکال کر جھپٹا۔



مگر رینو اس کی زد سے بچ گیا اور گینڈا خود اپنے ہی زور میں دریا میں جا پڑا۔ وہاں مگرمچھوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ رینو نے اطمینان کا سانس لیا۔



رینو نے دریا سے پانی پیا اور ایک اونچی چٹان پر جا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ سامنے سے ہاتھیوں کا غول آتا دکھائی دیا۔ رینو غصے سے غرّانے لگا اور پھر ایک دم زور سے دھاڑا۔



نر ہاتھی جو سب سے آگے تھا وہ بھی چنگھاڑا اور اپنی سونڈ اٹھا کر رینو کی طرف لپکا۔ رینو پیچھے ہٹ گیا۔ ہاتھیوں کا غول دریا کی طرف چل دیا۔



رینو کو چٹان کی طرف بیٹھا دیکھ کر دریائی گھوڑے کو جوش آیا اور وہ اپنا خوف ناک منھ کھولے رینو کی طرف آیا۔ رینو چٹان پر تھا، اس لیے اسے واپس لوٹنا پڑا۔



دریائی گھوڑے کے ساتھ اس کی مادہ بھی تھی۔ وہ اپنے بچّے کو پیٹھ پر بٹھائے پانی کے اندر تیرتی ہوئی آگے چلی گئی۔

(باقی مارچ کے ہمدرد نونہال میں پڑھو)

صحت مند نونہال



سمیع گل
سکھر

اِس صفحے پر ہر ماہ صحت مند نونہالوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ جلدی سے اپنی تصویر بھیج دو!



محمد نعیم



ناہید اختر

پودے خوراک کس طرح حاصل کرتے ہیں؟

زمین کے اندر دھنسی ہوئی جڑیں پودے کا ایک نہایت ہی کارآمد حصّہ ہوتی ہیں، کیوں کہ اسی کے ذریعے پودا زمین سے پانی اور خوراک حاصل کرتا ہے۔ اگر کسی پودے کو جڑ سے اکھیڑ کر کھلی ہوا میں چھوڑ دیا جائے تو کچھ ہی عرصے میں وہ مُرجھا جائے گا، کیوں کہ جڑ پودے کے لیے زمین سے پانی اور خوراک لاتی تھی۔ اب وہ سلسلہ ختم ہوگیا تو وہ مُرجھا کر سُوکھ گیا۔ یہی بات ہم ایک آسان تجربے سے ثابت کرسکتے ہیں:۔



(۱) شیشے کے ایک چھوٹے پیالے میں تھوڑا سا پانی بھر دو۔ اس کے بعد کوئی چھوٹا سا پودا کہیں سے جڑ سمیت اکھیڑ کر اس کی جڑ کو پیالے میں بھرے ہوئے پانی میں ڈال دو اور ایک چمچہ بھر لال رنگ اس میں ڈال دو۔



(۲) کچھ دیر بعد تم دیکھو گے کہ پانی میں ملا ہوا لال رنگ پودے کے تنے میں آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا ہے۔



(۳)

اس کے بعد وہ پودے کی پتّیوں میں داخل ہونا شروع ہوگیا اور دونوں پتّیوں کی رگوں میں داخل ہو کر ان کی رگوں کو لال کر دیا۔

(اقبال مسعود افسر)

اسکول جانے سے پہلے

اچھے اور صحت مند بچے کیسے ہوتے ہیں اور وہ اسکول جانے سے پہلے اپنی صحت و صفائی کے لیے کیا کیا کرتے ہیں؟ اِن تصویروں کو دیکھ کر تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تمھیں کیا کیا کرنا چاہیے!



صبح اٹھ کر بچوں کو اپنے کان، ناک اور چہرے کو صاف کرنا چاہیے۔



روزانہ پابندی کے ساتھ ایک یا دو وقت کسی اچھے منجن سے دانتوں کی صفائی ضروری ہے۔



بچّوں اور بچّیوں دونوں کو اپنے بال صَاف رکھنا چاہیے۔
بال صَاف کر کے تیل ڈالنے اور برش کرنے سے بال
خوب صُورت رہتے ہیں۔



نیکر یا فراک پہننے والے بچّے بچّیوں کو اپنے گھٹنے
صَاف رکھنا چاہیے اور پاؤں کی انگلیوں کے
درمیانی حصّوں کو بھی صَاف کرتے رہنا
ضروری ہے۔



ہاتھوں کو بار بار صاف کرتے رہنا چاہیے، خاص طور پر کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا ضروری ہے۔



جوتوں اور موزوں کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے۔ موزوں کو جلدی جلدی دھوتے رہنا اور جوتوں کو پالش کرتے رہنا چاہیے۔



رُومال صاف نہ ہو تو ہاتھ منھ بھی صاف نہ ہوں گے۔ بہتر ہے کہ اپنا رُومال روزانہ دھولیا کرو۔



صفائی کے بعد اسکول کی تیاری کرو۔ کتابیں دیکھ بھال کر بستے میں رکھو۔ اب تم اچھے بچوں کی طرح اسکول جا سکتے ہو۔



اغوا

تحریر : آر۔ایل۔اسٹیونسن

ترجمہ : علی اسد

اب سے تقریباً دوسو برس قبل اسکاٹ لینڈ
کے ایک گاؤں میں ایک لڑکا رہا کرتا تھا۔ اس کا
نام تھا ڈیوڈ بیلفور۔ جب ڈیوڈ کے والد کا انتقال
ہوگیا تو وہ اپنے گاؤں سے تلاش معاش کے لیے
روانہ ہوگیا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ
گاؤں کے پادری سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ڈیوڈ کو
دیکھ کر پادری نے کہا، "تمھارے والد نے
ایک خط میرے پاس بطور امانت رکھوا دیا تھا
اور کہا تھا کہ ان کے انتقال کے بعد وہ تم کو
دے دیا جائے۔" یہ کہہ کر پادری نے اپنی جیب
سے ایک خط نکال کر ڈیوڈ کے حوالے کر دیا۔ ڈیوڈ
نے لفافے پر جو پتہ پڑھا تو اس پر لکھا تھا:

"بہ ملاحظہ جناب ابنِ زر صاحب بیلفور۔
یہ خط خود میرا بیٹا ڈیوڈ آپ تک پہنچا دے گا۔"

یہ پڑھ کر ڈیوڈ نے حیرت سے پوچھا،
"ان صاحب سے اور میرے والد سے بھلا کیا
واسطہ ہوسکتا ہے؟" پادری نے جواب دیا،
"اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ابنِ زر کا
خاندانی نام بھی بیلفور ہی ہے، لہٰذا ممکن ہے
کہ یہ تمھارے والد کے رشتے دار ہوں۔"

اس پر ڈیوڈ نے پادری سے پوچھا، "مسٹر
کیمبل، اگر میری جگہ پر آپ ہوتے تو کیا کرتے؟

کیا آپ ان صاحب کے ہاں جاتے؟" پادری نے برجستہ جواب دیا، "بیشک! میں ضرور جاتا۔"

چناں چہ ڈیوڈ پادری سے رخصت ہوکر ابن زر صاحب سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ راستے میں اسے ایک کسان ملا۔ ڈیوڈ نے اس کسان سے پوچھا، "ذرا یہ بتائیے کہ کیا آپ ابن زر صاحب کو جانتے ہیں؟" کسان نے جواب دیا، "ہاں، میں خوب جانتا ہوں، لیکن صاحبزادے میری صلاح مانو تو تم ان سے دور ہی رہو تو بہتر ہے۔" اس کے بعد ڈیوڈ اور آگے بڑھا تو اُسے ایک حجّام دکھائی دیا۔ ڈیوڈ نے اس حجّام سے بھی پوچھا، "کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ ابن زر کس قسم کے آدمی ہیں؟" حجّام نے بھی منہ بگاڑ کر جواب دیا، "کس قسم کے آدمی ہیں؟ بس یہ سمجھ لو کہ وہ کسی قسم کے بھی آدمی نہیں ہیں!" اس کے باوجود ڈیوڈ اور آگے بڑھتا ہی گیا، یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ اتنے میں اسے ایک عورت ملی۔ ڈیوڈ نے اس عورت سے ابن زر کے مکان کا پتہ پوچھا تو اس نے کچھ دور ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہایت ناراضگی سے کہا، "وہ ہے اس کا مکان، جس کی بنیادیں خون سے سینچی گئی ہیں اور خون ہی سے یہ بنا بھی ہے۔ اور خون ہی کی بہ دولت اس کی تعمیر رک بھی گئی۔ ایک دن خون ہی اس عمارت کو تباہ و مسمار بھی کر دے گا۔" سڑک پر ایک اور کسان کھڑا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس نے ڈیوڈ سے کہا، "اگر تم کو مالک مکان مل جائیں تو یہ سب جو تم نے سنا ہے، ان سے ضرور کہہ دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ بہت جلد اس مکان پر تباہی آنے والی ہے۔"

بہر حال ڈیوڈ اس مکان تک آخر پہنچ ہی گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تھوڑی دیر بعد ایک کھڑکی یکایک کھل گئی اور ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔ اس بڈھے کے ہاتھ میں بندوق تھی، جس کی نالی ڈیوڈ کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر ڈیوڈ بہت گھبرایا، مگر ہمّت کرکے وہ بولا، "میں مسٹر ابن زر بیلفور کے لیے ایک خط لایا ہوں۔ کیا وہ مکان پر موجود ہیں؟" بڈھے نے جواب دیا، "خط دروازے کے چوکھٹ پر رکھ دو اور یہاں سے فوراً بھاگ جاؤ!" ڈیوڈ نے کہا، "نہیں، یہ خط تو میں خود ان ہی کے ہاتھ میں دوں گا، کیوں کہ یہ ایک تعارفی خط ہے۔ میرا نام ہے ڈیوڈ بیلفور۔"

اس بات پر بڈھا بولا، "اچھا! تو تمھارے والد کا انتقال ہوگیا ہے؟ ہاں، ہاں، یہی ہوا ہوگا، جو تم میرے پاس آئے ہو۔ اچھا، اچھا، اب میں تم کو اندر آنے دوں گا۔" یہ کہہ کر بڈھے نے

دروازہ کھول دیا اور ڈیوڈ کو گھر کے اندر بلاتے ہوئے کہا، "جاؤ باورچی خانے میں چلے جاؤ، مگر وہاں کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔" جب ڈیوڈ اندر پہنچ گیا تو بڈھا بھی وہاں آگیا اور بولا، "لاؤ، اب الکزنڈر کا خط دے دو۔" ڈیوڈ نے تعجب سے پوچھا، "توآپ کو میرے والد کا نام بھی معلوم ہے؟" اس پر بڈھے نے نہایت رنجیدگی سے کہا، "ہاں! وہ میرا حقیقی بھائی تھا۔ بات یہ ہے کہ وہ ذرا خاموش قسم کا آدمی تھا، لہٰذا ممکن ہے کہ اس نے تم سے میرا تذکرہ نہ کیا ہو۔" ڈیوڈ نے حیرت سے کہا، "مجھے تو یہ آج تک معلوم ہی نہ تھا کہ میرا کوئی چچا بھی ہے۔" بوڑھے نے نہایت شفقت سے ڈیوڈ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، "چلو اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ جاؤ اب جاکر سو رہو۔" سونے کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ڈیوڈ نے دیکھا کہ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ مکان میں کسی قسم کی روشنی کا بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ ڈیوڈ کو اپنے چچا کی کنجوسی کا احساس ہونے لگا۔ اتنے میں چچا بولا، "چاند کی روشنی یہاں خوب آتی ہے۔" ڈیوڈ نے جل کر کہا، "اس وقت تو نہ چاند کی روشنی آرہی ہے اور نہ ستاروں کی۔ یہاں تو غار کی طرح اندھیرا چھایا ہوا ہے۔" ابھی یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ بڈھے نے دروازہ باہر سے بند کر دیا اور کہا، "میں گھر میں چراغ جلانا پسند نہیں کرتا، کیوں کہ اس سے آگ لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اچھا شب بخیر!"

دوسرے دن ڈیوڈ جب سو کر اٹھا تو اس نے دروازے پر چلّانا شروع کر دیا، "چچا ابن زر!" کچھ دیر بعد بڈھے نے آکر دروازہ کھولا اور ڈیوڈ کو ساتھ لے جاکر کچھ کھانے کو دیا۔ ڈیوڈ ابھی کھانا کھا ہی رہا تھا کہ بڈھا بولا، "ڈیوڈ، میں تمھارے واسطے کچھ مناسب بندوبست کرنا چاہتا ہوں، لیکن جب تک میں غور کروں اس وقت تک تم بالکل خاموش رہنا اور اگر تم نے ذرا سی بھی کسی سے بات چیت کی تو پھر میں تم کو گھر سے نکال دوں گا۔" ڈیوڈ نے کہا، "مجھے بالکل یقین ہے کہ آپ جو کچھ کریں گے وہ میری بہتری ہی کے لیے ہوگا، لیکن اگر آپ کہیں گے تو میں یہاں سے فوراً چلا جاؤں گا" یہ سن کر بڈھا جلدی سے بولا، "نہیں، نہیں، میرا یہ مطلب نہ تھا۔ میاں صاحبزادے جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب تمھارا ہے اور جو کچھ تمھارا ہے وہ میرا ہے۔"

اس کے بعد ڈیوڈ کو تنہا چھوڑ کر بڈھا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ڈیوڈ دل بہلانے کے لیے کتابیں دیکھنے لگا۔ اتفاق سے ایک کتاب پر اس نے یہ لکھا ہوا دیکھا، "یہ تحفہ میں اپنے

بھائی اِبن زر کی پانچویں سالگرہ پر پیش کرتا ہوں"۔
یہ تحریر اتنی خوش خط تھی کہ ڈیوڈ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس کے والد کا خط بچپن ہی سے نہایت عمدہ تھا۔ چناں چہ وہ بڈھے چچا کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور پوچھنے لگا، "چچا! کیا میرے والد نے لکھنا پڑھنا کم سنی ہی میں سیکھ لیا تھا؟" بڈھا بولا، "نہیں، میں خود اس سے کہیں تیز تھا۔" اتنے میں بڈھے کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے لپک کر ڈیوڈ کا گریباں پکڑ لیا اور نہایت غضب ناک ہو کر بولا، "یہ سوال تو نے آخر کیوں کیا؟" ڈیوڈ نے بھی سختی سے کہا،

"میرا گریبان چھوڑ دیجیے ورنہ..." بڈھے نے گھبرا کر گریبان چھوڑ دیا اور نہایت لجاجت سے کہنے لگا، "دیکھو، تم اپنے والد کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھا کرو۔ وہی تو میرا ایک بھائی تھا۔" اس کے بعد اِبن زر نے ڈیوڈ کو محبت سے سمجھانا بجھانا شروع کیا، مگر ڈیوڈ کے دل میں اِبن زر کی طرف سے خوف اور اندیشے پیدا ہو گئے اور اسے اپنے چچا کی حرکتیں نہایت خطرناک معلوم ہونے لگیں۔

اس واقعہ کے بعد دونوں چچا بھتیجوں میں تمام دن اور کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے سے دور ہی دور رہے۔ رات کے کھانے کے وقت بھی دونوں خاموش ہی بیٹھے رہے۔ آخر کار اِبن زر نے سکوت ختم کرتے ہوئے کہا، "ڈیوڈ، تمھاری پیدائش سے پہلے ہی میں نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ میں تم کو اپنی دولت میں سے کچھ دوں گا۔"
یہ سن کر ڈیوڈ نے سوچا کہ اس کا چچا محض جھوٹ ہی بول رہا ہے۔ بڈھا کہنے لگا، "دیکھو میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔ اگر تم ذرا دیر کے لیے باہر چلے جاؤ تو پھر میں انھیں نکال لوں اس کے بعد پھر میں تم کو بلا لوں گا۔" چناں چہ ڈیوڈ باہر چلا گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے ہیں اور عنقریب طوفان آنے والا ہے۔ اتنے میں ڈیوڈ کو اس کے چچا نے بلا لیا اور اشرفیوں کی تھیلی دکھاتے ہوئے کہا، "یہ دیکھو! تم شاید یہ خیال کرو کہ میں کچھ عجیب قسم کا انسان ہوں، مگر میں جو وعدہ کر لیا کرتا ہوں اُسے ہمیشہ پورا کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اشرفیاں نکال کر ڈیوڈ کو دکھائیں۔ بڈھے کی اس حرکت سے ڈیوڈ کے شکوک قطعی کم نہ ہوئے، بلکہ وہ یہ سوچنے لگا کہ دیکھیے اب آگے آگے کیا ہو۔ بڈھا بولا، "مجھے بڑی خوشی ہے کہ آج میں اپنا وعدہ پورا کر سکا اور اپنے مرحوم بھائی کی اولاد کے لیے جو کر سکتا ہوں وہ کر رہا ہوں، لیکن تم کو بھی میرا خیال کرنا چاہیے۔"

اس پر ڈیوڈ نے کہا، "میں ہر طرح سے آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوا۔" بڈھا بولا، "اچھا تو پھر لو یہ کنجی اور باہر کے زینے سے اوپر کی منزل پر چڑھ جاؤ۔ وہاں پہنچنے کا راستہ صرف باہر ہی سے ہے۔ مکان کا وہ حصہ ابھی نامکمل پڑا ہوا ہے۔ جب تم اوپر پہنچ جاؤ گے تو وہاں ایک بڑی سی تجوری ملے گی۔ بس اُسے اٹھا کر لے آؤ۔ اس میں بے شمار دولت رکھی ہوئی ہے۔" ڈیوڈ نے پوچھا، "کیا روشنی کا بھی کوئی انتظام ہو سکتا ہے؟" بڈھے نے جواب دیا، "نہیں، نہیں، روشنی کی میر گھر میں کوئی ضرورت نہیں۔"

پھر ڈیوڈ نے پوچھا، "کیا زینے درست ہیں؟" بڈھے نے جواب دیا، "ہاں، ہاں، زینے نہایت اچھے ہیں، مگر تم سیڑھیوں کی دیوار کے قریب ہی رہنا کیوں کہ ابھی وہاں ریلنگ نہیں لگی ہے۔"

چناں چہ ڈیوڈ اوپر جانے کے لیے لپکا، تاکہ طوفان شروع ہونے سے پہلے ہی یہ کام کر ڈالے۔ اس کو جاتے ہوئے دیکھ کر بڈھا بہت مطمئن نظر آیا۔ ڈیوڈ جب سیڑھیوں کے قریب پہنچا تو بجلی بڑے زور سے چمکی، جس کی روشنی میں اسے زینے نظر آ گئے، لہٰذا وہ تیزی سے اوپر چڑھنے لگا، مگر وہ دیوار سے بالکل



چپکا ہوا چڑھتا رہا کیوں کہ دوسری طرف کوئی دیوار نہ تھی اور گر جانے کا خطرہ تھا۔ جتنا جتنا وہ اوپر چڑھتا گیا اتنا ہی ہوا بھی تیز ہوتی گئی اور کچھ کچھ روشنی بھی نظر آنے لگی۔ اتنے میں ایک بار بجلی پھر بڑے زور سے چمکی۔ اب جو ڈیوڈ نے دیکھا تو سامنے سیڑھیوں کے آگے کا حصہ بالکل سپاٹ کھلا پڑا تھا۔ ذرا سا ایک قدم اور آگے بڑھاتا تو سینکڑوں فیٹ کی بلندی سے گر کر پاش پاش ہو جاتا۔ اب ڈیوڈ کی سمجھ میں آیا کہ اس کے چچا نے اسے محض اسی لیے اوپر بھیجا تھا کہ وہ سیڑھیوں سے گر کر مر جائے۔ یہ خیال آتے ہی ڈیوڈ کو بے حد غصہ آیا اور وہ گھٹنوں کے بل سیڑھیوں پر ذرا دیر کے لیے ٹک گیا۔ پھر آہستہ آہستہ بڑے احتیاط سے نیچے اترنے لگا، مگر اندھیرے کی وجہ سے وہ دھوکا کھا گیا اور ایک جگہ پر غلط گھوم گیا۔ اب جو ہاتھ بڑھا کر ٹٹولتا ہے تو سامنے بالکل خلا محسوس ہوا۔ چناں چہ وہاں سے وہ پھر سنبھلا اور گھوم گھوم کر آہستہ آہستہ نیچے اتر آیا۔ جب وہ نیچے پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا چچا باورچی خانے کے دروازے کے پاس چوروں کی طرح چپ چاپ کھڑا ہے۔ ڈیوڈ سوچنے لگا کہ ہو نہ ہو وہ میرے گرنے کی آواز کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اتنے میں بجلی پھر بڑے زور سے کڑکنے لگی اور بڈھا ڈر کر مکان کے اندر ایسا بھاگا جیسے کہ قہر خداوندی اس کے تعاقب میں ہو اور اس کو قتل کی سزا دینے کے لیے ڈھونڈھ رہا ہو۔ بڈھے نے کمرے میں داخل ہوتے ہی لرزتے ہوئے ہاتھوں سے شراب کی بوتل اٹھالی۔ اسی عرصے میں ڈیوڈ بھی چپکے سے کمرے میں داخل ہو گیا اور بڈھے کے پیچھے آ کر اس زور سے چیخ اٹھا کہ بڈھا اچھل کر اوندھے منہ گر پڑا۔ شراب کی بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری اور پاش پاش ہو گئی۔ ابن زر دہشت سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ ڈیوڈ نے جلدی سے الماری کھول کر ایک خنجر نکالا اور اسے اپنی کمر میں باندھ لیا تاکہ وقت ضرورت پر کام آئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بدمعاش چچا کو ہوش میں لانے کے لیے ایک بالٹی پانی لیا اور بڈھے کے منہ پر ڈال دیا۔ بڈھا کھڑبڑا کر ہوش میں آیا اور ڈیوڈ کو دیکھ کر بڑے تعجب سے بولا، "ارے! تم ابھی تک زندہ ہو!" ڈیوڈ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا، "جی ہاں میں بفضلہ زندہ ہوں۔ شکریہ!" اس کے بعد ڈیوڈ نے تیور بدلتے ہوئے پوچھا، "آپ نے آخر مجھے مار ڈالنے کی کوشش کیوں کی تھی؟" بڈھے نے جواب دیا، "اس بات کا جواب میں تم کو کل صبح دے دوں گا۔" بڈھے کی نقاہت کا خیال کرتے ہوئے ڈیوڈ نے اس بات کو صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا اور ابن زر کو اس کے کمرے میں مقفل کر دیا۔

دوسرے دن صبح ڈیوڈ نے اپنے چچا سے کہا، "آپ نے تو مجھے بالکل بے وقوف اور بزدل سمجھ رکھا تھا، مگر میں تو آپ کو ایک شریف آدمی خیال کر رہا تھا۔ آپ نے تو میری جان ہی لے ڈالی تھی۔ آخر اس کی وجہ کیا تھی؟" بڈھے نے بات بناتے ہوئے کہا، "ڈیوڈ وجہ کچھ بھی نہ تھی۔ میں دراصل یوں ہی تم سے دل لگی کر رہا تھا..." ابھی اس کا یہ جملہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ ڈیوڈ نے جاکر دیکھا تو ایک نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔ اُس لڑکے نے کہا، "میں مسٹر ابن زر بیلفور کے نام ایک خط لایا ہوں۔" چناں چہ ڈیوڈ اس لڑکے کو گھر کے اندر بلا لایا اور پھر تینوں ناشتہ کرنے بیٹھ گئے۔ ابن زر نے ڈیوڈ سے کہا، "ذرا پڑھنا تو یہ خط۔" خط میں لکھا تھا، "جناب میں سرائے حوض میں مقیم ہوں۔ آپ کی اطلاع کے لیے میں اپنے کیبن بوائے آینسم کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ اگر میرے لائق سمندر پار کا کوئی کام ہو تو آج ہی مطلع کیجیے ورنہ اس کے بعد پھر موقع نہ ملے گا۔ آپ کا خادم کیپٹن ہوسیزن۔"

ابن زر نے خط سننے کے بعد ڈیوڈ سے کہا، "کیپٹن ہوسیزن سے مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے۔ وہ میرے بہت سے کام اکثر کرتے رہتے ہیں، لہٰذا میں پہلے ان سے ملنا چاہتا ہوں، تم بھی میرے ساتھ چلو۔ واپسی میں مسٹر رینکیلر وکیل سے بھی ملتے آئیں گے۔" ڈیوڈ نے تعجب سے پوچھا، "یہ مسٹر رینکیلر کون ہیں؟" اس پر ابن زر نے بتایا، "ڈیوڈ، تم کو شاید میرے اوپر بھروسہ نہیں ہے، لہٰذا میں مسٹر رینکیلر کی زبان سے تم کو سنوا دینا چاہتا ہوں کہ میں تمھارا بہی خواہ ہوں۔ مسٹر رینکیلر بڑے باعزت شخص ہیں اور وہ تمھارے والد کو بھی بخوبی جانتے تھے۔" یہ سن کر ڈیوڈ جانے پر رضامند ہو گیا۔

راستے میں ڈیوڈ اور کیبن بوائے رینسم میں باتیں ہونے لگیں۔ دونوں ہم عمر تو تھے ہی، لہٰذا بہت جلد خوب گھل مل گئے۔ کیبن بوائے نے چپکے چپکے ڈیوڈ کو بتایا کہ جس جہاز کے کپتان سے ملنے ابن زر جا رہا تھا وہ جہاز دراصل ڈاکوؤں اور لٹیروں کا تھا اور دنیا بھر کے بدمعاش اس جہاز پر لاد کر امریکا بھیج دیے جاتے تھے اور وہاں وہ غلاموں کی حیثیت سے فروخت کر دیے جاتے تھے۔

جب یہ لوگ سرائے پہنچ گئے تو کپتان نے بڑے تپاک سے ابن زر کا خیر مقدم کیا۔ کپتان کا کمرہ بے حد گرم تھا، لہٰذا گرمی کا بہانہ کرکے ڈیوڈ وہاں سے چل دیا اور باہر ٹہلنے لگا۔ یہاں ڈیوڈ نے جہاز کے دوسرے آدمیوں کو

جو دیکھا تو وہ حیران رہ گیا کیوں کہ ہر شخص ڈاکو اور بدمعاش ہی نظر آرہا تھا۔ ان کے چہروں سے وحشت و درندگی ٹپک رہی تھی۔ ابھی وہ کھڑا ہی تھا کہ کپتان اور ابن زر بھی وہاں آ پہنچے۔ کپتان بولا، " چلیے آپ لوگوں کو میں اپنے جہاز کی سیر کرالاؤں"۔ ڈیوڈ نے جلدی سے کہا،" مگر مجھ کو اور میرے چچا کو تو ایک دوسری جگہ جانا ہے"۔ اس پر کپتان نے کہا، " میں آپ دونوں کو ایک ایسی جگہ پر اتار دوں گا جہاں سے مسٹر اینکیلر کا مکان بہت قریب پڑے گا۔" اس کے بعد کپتان نے ابن زر کی آنکھ بچا کر ڈیوڈ کے کان میں کہا، " یہ تمھارا چچا تمھارے ساتھ دغا کرنے والا ہے، لہٰذا تم میرے جہاز پر چلے چلو"۔ قصہ مختصر ڈیوڈ اور اس کے چچا کشتی میں بیٹھ کر جہاز پر پہنچ گئے۔ جہاز پر کپتان نے ڈیوڈ کو ہمراہ لے کر اِدھر اُدھر گھمانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈیوڈ کو احساس ہوا کہ اس کا چچا وہاں سے غائب ہے۔ چناں چہ وہ اپنے چچا کو تلاش کرنے کے لیے ڈِک کی طرف دوڑ پڑا۔ راستے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص اسی کیبن بوائے اینسم کو قتل کیے ڈال رہا ہے۔ ڈیوڈ یہ دیکھ کر چلّا اٹھا، " دوڑو، دوڑو! یہاں قتل ہو رہا ہے!" ڈیوڈ کے منھ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ دو آدمیوں نے لپک کر اس کے سر پر ڈنڈے برسا دیے، جس کی وجہ سے ڈیوڈ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ ڈیوڈ کو اٹھا کر جہاز کے نچلے حصّے میں لے گئے اور وہاں اسے ڈال دیا گیا۔ کئی دن تک ڈیوڈ وہاں پڑا رہا۔ اس عرصے میں جہاز روانہ ہو گیا۔ پھر اس کے بعد کیبن بوائے اینسم کی لاش لا کر ڈیوڈ کے قریب ڈال دی گئی۔ کپتان بھی موجود تھا۔ اس نے ڈیوڈ سے کہا،" اب آج سے تم اینسم کی جگہ کیبن بوائے کا کام کرو گے"۔ جہاز تو چل ہی رہا تھا، چناں چہ جب رات ہو گئی تو اینسم کی لاش ان لوگوں نے چپکے سے اٹھا کر سمندر میں پھینک دی۔ ڈیوڈ یہ سب تماشا دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کپتان نے ایک آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، " مسٹر شوان! ادھر آؤ، تم کو خبر بھی ہے کہ تم نے اس لڑکے کو اتنا مارا کہ اس کی جان ہی لے ڈالی!" اس پر وہ آدمی بولا، " میں کیا کرتا اس لڑکے نے مجھے بے حد خوف زدہ کرنا شروع کر دیا تھا"۔ ایک تیسرا آدمی بولا، " کپتان، اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ ان دونوں کے بیچ میں آپ کو اگر پڑنا تھا تو پہلے کچھ کیا ہوتا۔ اب تو وہ لڑکا مر بھی چکا"۔ یہ سن کر کپتان نے ایک اور آدمی سے کہا، " مسٹر ریاش! اس بات کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو، بس ہر ایک سے یہی کہنا کہ وہ لڑکا جہاز سے گر کر ڈوب گیا"۔

(باقی ہے)

تیندوے کی دوستی

عشرت رحمانی



— تیندوا بڑا ہی خوف ناک اور غصیلا جانور ہوتا ہے ۔ تم نے تیندوے کے غصّے کی کہانیاں تو بہت سنی ہوں گی، لیکن آدمی کے ساتھ اس کے میل جول محبت پیار کی کہانی شاید کبھی نہ سنی ہو۔ آؤ ہم تمھیں اس کہانی میں تیندوے کی دوستی کا حال بتائیں ۔

کسی امیر آدمی کو اس کے ایک شکاری دوست نے ایک تیندوے کا بچّہ لاکر دیا۔ تیندوا امیر آدمی کے پاس رہنے لگا۔ گھر کے تمام لوگوں کے ساتھ بہت مل جل گیا۔ اس وقت وہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ کسی کو کچھ نقصان پہنچا سکتا، اس لیے وہ ہر وقت کھلا ہی رہتا اور گھر میں تمام دن اِدھر اُدھر ہر جگہ کھیلتا کودتا پھرتا۔ جس کے دل میں آتا وہی اُسے گود میں اٹھاکر اپنا دل بہلانے لگتا۔ تیندوے کا بچّہ سارے گھر کا کھلونا بن گیا تھا۔

لیکن اس میں ایک عیب بھی پیدا ہوگیا تھا۔ جوں ہی گوشت پر نظر پڑتی وہ اس میں سے جب بھی موقعہ ملتا ایک آدھ ٹکڑا اچک کر کھاجاتا۔

ایک روز کا ذکر ہے، امیر آدمی نے اُسے چوری کرتے پکڑ لیا اور اس کی خوب گت بنائی۔ اس کے منہ سے گوشت کا ٹکڑا کھینچ لیا۔

تینندوے نے اُس سے کچھ نہیں کہا، بلکہ چپ چاپ گھر کے ایک کونے میں جاکر بیٹھ گیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کیے پر بہت پچھتا رہا تھا۔ اس کی صورت سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ میں چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہوں۔ سچ مچ مجھ سے قصور ہوا ہے۔ میرا مالک جو سزا مناسب سمجھے مجھے دے۔ جب وہ بڑا ہو گیا۔ اس کے مالک نے اس کو چڑیا گھر میں داخل کرا دیا۔ دو تین سال کے بعد مالک کو چڑیا گھر جانے کا اتفاق ہوا۔

چڑیا گھر کی سیر کرتے کرتے اس کو خیال آیا، "یہاں میرا تینندوا بھی ہے۔ چلو اس کو بھی دیکھیں۔" جب وہ تینندوے کے پنجرے کے پاس جاکر کھڑا ہوا۔ تینندوا اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اپنے پنجرے کی سلاخوں سے بدن رگڑنے لگا، تب اُس کے مالک نے تینندوے کے پنجرے کے اندر جانے کی اجازت مانگی، مگر چڑیا گھر کے افسر نے اس کی بات منظور نہیں کی۔ امیر آدمی نے اس افسر کو بہت سمجھایا کہ آپ مجھے اندر جانے کی اجازت دے دیجیے۔ اس میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں، تینندوا مجھے دیکھ کر بہت بے چین ہے۔ یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آخر کار چڑیا گھر کے افسر نے تینندوے کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ جوں ہی امیر آدمی پنجرے کے اندر گھسا۔ تینندوا دوڑ کر امیر آدمی کے قریب آگیا اور مارے خوشی کے اچھلنے کودنے لگا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں چاٹنے لگا اور اُس کے کندھے کے ساتھ اپنا سر رگڑنے لگا۔ تین چار گھنٹے کے بعد جب امیر آدمی تینندوے کے پاس سے باہر آنے لگا تو تینندوا اُسے کسی طرح جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی صورت سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے ہرگز منظور نہیں کہ اس کا مالک اُسے اکیلا چھوڑ کر چلا جائے۔ آخر کار امیر آدمی پنجرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ تینندوے کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ خاموشی سے پنجرے کی سلاخوں سے لگا ہوا حسرت بھری نظروں سے اپنے مالک کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔

اس کے مالک نے چڑیا گھر کے افسر سے درخواست کی کہ اس کا تینندوا اُسے واپس دے دیا جائے۔ اس نے منظور کر لیا۔

تینندوا اب اپنے مالک کے پاؤں چاٹتا ہوا اس کے ساتھ اپنے پرانے گھر کو خوشی خوشی روانہ ہو گیا اور گھر پہنچ کر اس طرح رہنے لگا، جیسے اپنے مالک کا ایک وفادار ملازم ہو۔

★ ★

معلومات

طرح طرح کے گھر

جدید سائنس نے انسان کو کتنی ہی نئی چیزیں دی ہیں۔ ہمارا رہنے سہنے کا موجودہ طریقہ سو سال پہلے کے طریقوں سے قطعی مختلف ہے۔ جدید تہذیب پر نئی ایجادوں کا گہرا اثر پڑا ہے۔ ہمارے گھر بھی پہلے سے قطعی مختلف ہیں۔ دیہاتی اور شہری گھروں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔



انسان ترقی یافتہ ہو یا پس ماندہ، اُسے سر چھپانے کے لیے ایک پناہ گاہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ جھونپڑیاں بھی بناتا ہے اور محلات بھی۔ بڑے مکانوں میں سونے، کھانے اور اٹھنے بیٹھنے کے کمرے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ مہمانوں کے لیے بھی ایک کمرہ مخصوص ہوتا ہے۔ ساری عمارت میں صفائی ستھرائی اور تخلیے کا انتظام ہوتا ہے۔

چینیوں کا گھر

فنِ تعمیر میں چینیوں کی روایات نہایت پُرانی ہیں۔ ان کا طرز یونانیوں کے طرز سے مشابہ ہے۔ وہ اپنے مکانوں میں چھت کی پائداری پر بہت زور دیتے ہیں اور اسے مضبوط ستونوں پر قائم کرتے ہیں۔ چھتوں میں خوب صورت شوخ رنگوں کے ٹائل لگاتے ہیں۔ ان کی عبادت گاہ پگوڈا کہلاتی ہے۔ پگوڈا کی چھت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مکانات بنانے کا یہ طرز

صرف چین اور جاپان میں نظر آتا ہے۔ اس خوبصورتی کے باوجود چینی مکانات نہایت سادہ ہوتے ہیں، لیکن بے حد مضبوط۔ ان مکانوں کی تعمیر میں لکڑی کچھ اس طرح استعمال کی جاتی ہے کہ وہ دیکھنے میں کھلی معلوم ہوتی ہے۔ چینی لوگ پتھر نہیں استعمال کرتے، اینٹیں استعمال کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔

دریائے یانگ ٹسی کے کنارے سینکڑوں چینی دیہات آباد ہیں۔ قدیم چینی مکانات کے نمونے ان دیہاتوں میں عام ہیں۔ یہ مکانات لکڑی کے ہوتے ہیں۔ ہر مکان میں تین چار کمرے ہوتے ہیں اور ان میں خوب صورت رنگوں کے ٹائل لگائے جاتے ہیں۔ گھر کے سامنے چھوٹا سا میدان ہوتا ہے، لیکن لوگ اس میں چل پھر سکتے ہیں۔

گھر کے سامنے ایک دروازہ اور ایک بڑی کھڑکی ہوتی ہے۔ اس دروازے میں داخل ہو کر آپ مکان کے سب سے بڑے کمرے میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ کمرہ اٹھنے بیٹھنے اور کام کاج کے علاوہ کھانا کھانے کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ مہمانوں کی تواضع بھی اسی کمرے میں کی جاتی ہے۔ باورچی خانہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اس میں ایک کھلا چولھا بنا ہوتا ہے، جو کافی بڑا ہوتا ہے۔ باورچی خانے کے ایک کونے میں دیوتا کی ایک مورت رکھی ہوتی ہے۔

باورچی خانے سے آگے خواب گاہ یا سونے کا کمرہ ہوتا ہے۔ ہر کمرے میں دو چار پائیاں ہوتی ہیں۔ شوہر، بیوی اور بچے سب ایک ہی کمرے میں سوتے ہیں، لیکن بڑے بچے سامنے کے کمرے میں سوتے ہیں۔

جاپانیوں کے گھر

جاپانیوں کے طرزِ تعمیر پر چینیوں کے طرز کا بڑا گہرا اثر پڑا ہے۔ تہذیب یافتہ اقوام جاپانیوں کے گھروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان گھروں کی سادگی قابلِ رشک ہوتی ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ اتنی خوب صورت معلوم ہوتی ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

جاپان میں کئی قسم کی لکڑی افراط سے پیدا ہوتی ہے۔ اب بڑے شہروں میں تو پختہ عمارتیں عام ہیں، لیکن قصبات اور دیہات میں زلزلوں کے خوف سے لکڑی کے مکانات زیادہ تعداد میں بنائے جاتے ہیں۔ لکڑی کو رنگ لگا کر اتنا خوب صورت کر لیا جاتا ہے کہ پورا مکان بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لکڑی پر پلاسٹر بھی چڑھایا جاتا ہے۔ مکان کے دروازے پر بڑے اچھے رنگ لگائے جاتے ہیں۔

یہ مکانات بڑے ہلکے اور نازک ہوتے ہیں۔ ان کی بنیادیں تو پتھر پر ہوتی ہیں، لیکن

باقی سارا ڈھانچہ لکڑی کا ہوتا ہے۔ اس کی چھت کافی بھاری ہوتی ہے۔ اس طرح پورے مکان کا توازن ٹھیک رہتا ہے اور وہ سخت طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ بعض علاقوں میں دیواریں بھی مٹی اور پلاسٹر سے بنائی جاتی ہیں تاکہ پورے مکان کا وزن بڑھ جائے اور تیز ہوائیں اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

جاپانی باشندے دوسری اقوام کی طرح نیا گھر بنانے کی خوشی مناتے ہیں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو دعوت دیتے ہیں۔ ایک مکان کا ڈھانچہ ایک ہی دن میں تیار ہو جاتا ہے۔ مکان کی کرسی زمین سے تقریباً تین فیٹ اونچی رکھی جاتی ہے۔ دیواریں بانس کی کھپچیوں سے بنائی جاتی ہیں۔ پھر ان پر مٹی کا چار پانچ انچ موٹا پلاسٹر کر دیا جاتا ہے۔ دیواروں پر کاغذ لگانے کا رواج اب کم ہوتا جا رہا ہے۔ مکان کا فرش بھی لکڑی کا بنایا جاتا ہے۔ اس پر چٹائیاں بچھا دی جاتی ہیں۔ موسم بہار میں مکانوں کی مکمل صفائی کی جاتی ہے اور جشن منایا جاتا ہے۔

ایک حیرت انگیز اعلان

ہمدرد نونہال کی سالانہ خریداری کے لیے نومبر دسمبر ۱۹۶۴ء کے شماروں میں اعلان کیا گیا تھا کہ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۴ء تک آٹھ رُپے ارسال کرنے پر ایک سال کے لیے ہمدرد نونہال جاری کرنے کے علاوہ ایک کتاب "وسط ایشیا کی سیاحت" (جس کی قیمت ڈھائی رُپے ہے) بھی بلا قیمت ارسال کی جائے گی۔ نونہالوں کے مطالبہ پر تاریخ میں اضافہ کر کے ۳۱ جنوری ۱۹۶۵ء کر دی گئی ہے۔ اب آپ جنوری کے آخر تک آٹھ رُپے منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر کے ذریعے بھجوا کر ہمدرد نونہال کے سالانہ خریدار بننے کے علاوہ مذکورہ کتاب بھی بلا قیمت حاصل کر سکتے ہیں۔ وی پی کے ذریعہ خریدار بننے والے حضرات کو یہ کتاب نہیں پیش کی جا سکے گی۔ اس اعلان سے جلد فائدہ اٹھائیے۔ اس طرح آپ ہمدرد نونہال کے بارہ پرچے جن کی فی پرچہ کے حساب سے مجموعی قیمت نو رُپے ہوتی ہے اور ڈھائی رُپے کی کتاب "وسط ایشیا کی سیاحت" کل ساڑھے گیارہ رُپے کے بجائے آٹھ رُپے میں حاصل کر سکیں گے۔





دل جیتنے والا تحفہ

عبدالحمید نظامی

اسلم کئی دن سے اداس اور پریشان تھا۔ اسے رہ رہ کر اس بات کا ملال ہو رہا تھا کہ مسلم اس سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ اس کا خط نہ آنے سے اسلم اور بھی زیادہ رنجیدہ ہو رہا تھا۔ اُسے ایسی کوئی ترکیب نہ سوجھ رہی تھی، جس پر عمل کر کے وہ مسلم کو راضی کر سکے اور یہی بات اس کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

مسلم اسلم کا چچا زاد بھائی تھا اور گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے اپنے تایا کے گھر آیا ہوا تھا۔ مُسلم کے ابا سرحد کے ایک معمولی سے گاؤں میں جہاں انھیں زمین اور مکان الاٹ ہوا تھا، زمینداری کرتے تھے۔ مسلم کا وہاں دل نہ لگتا اور ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں ہوتے ہی وہ شہر چلا آتا۔ اسلم اس کا ہم عمر تھا اس لیے دونوں کا وقت اکھٹے گزرتا۔ دونوں میں بہت پیار تھا، مگر ذرا سی بات پر جھگڑا ہو گیا اور مسلم ناراض ہو کر دوسرے ہی دن واپس اپنے گھر چلا گیا۔ اسلم نے اسے منانے کی بہت کوشش کی۔ اسلم کے ابا اماں نے بھی سمجھایا کہ جہاں پیار ہوتا ہے وہاں رنجش بھی ہو ہی جاتی ہے، اپنا دل میلا نہ کرو، ہنسو کھیلو اور چھٹیاں گزرنے پر چلے جانا، مگر نہ جانے مسلم کے دل پر کیا صدمہ بیٹھا تھا کہ وہ کسی صورت نہ مانا۔ آخر تایا کو اسے سوار کرانا

ہی پڑا۔ مسلم جاتے وقت بھی اسلم سے بالکل نہ بولا تو اسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ اور وہ اداس رہنے لگا۔

بات بالکل معمولی تھی۔ اسلم پڑھائی میں ہوشیار اور بڑا ذہین تھا۔ امتحان میں ہمیشہ اوّل آتا تھا۔ اُسے کہانیاں بھی لکھنے کا شوق تھا۔ اس لیے وہ اسکول کی لکھائی پڑھائی سے فارغ ہو کر بچوں کے رسالے یا کہانیوں کی کتابیں پڑھا کرتا۔ اس کے پاس بہت سی عمدہ عمدہ کہانیوں کی کتابیں اور پیارے پیارے رسالے تھے۔ اس کی عادت تھی کہ جو کتاب یا رسالہ اُسے پسند آجاتا فوراً خرید لیتا۔ مانگ کر پڑھنے سے اُسے چڑ تھی، اسی لیے وہ اپنی کتابیں یا رسالے بھی کسی دوست کو مانگنے پر نہیں دیتا تھا۔ البتہ اس کی الماری سے لے کر وہیں بیٹھ کر پڑھنے اور پھر حفاظت سے اسی جگہ رکھ دینے کی وہ ہر ملنے والے کو اجازت دے دیتا تھا۔ مسلم بھی اپنی روزمرّہ کی لکھائی پڑھائی کے بعد اکثر ان کتابوں سے دل بہلایا کرتا۔

جھگڑا اس بات پر ہوا کہ ڈاکیا ہمدرد نونہال کا تازہ پرچہ لایا۔ اسلم دو روز سے بڑی بے چینی کے ساتھ اپنے دل پسند پرچے کا منتظر تھا۔ اس نے سال بھر کا چندہ بھیج رکھا تھا اور پرچہ ملتے ہی سب کام چھوڑ کر وہ پہلے اس کا سرسری مطالعہ ضرور کرتا تھا۔ اس موقع پر اسے کھانے پینے کی بھی پروانہ رہتی تھی۔ وہ اپنا محبوب پرچہ لیے گھر میں داخل ہو رہا تھا کہ مسلم کی نگاہ تازہ پرچے پر پڑی۔ وہ ایسا بے اختیار ہوا کہ بغیر کچھ کہے سنے اسلم کے ہاتھ سے وہ پرچہ جھپٹ لیا۔ اسلم کو یہ بات بہت بُری لگی۔ اگر وہ ذرا صبر و برداشت سے کام لیتا تو بات ٹل جاتی، مگر چوں کہ یہ بات اس کی طبیعت کے سراسر خلاف تھی، اس لیے اس سے غصہ ضبط نہ ہو سکا اور اس نے اس بُری عادت پر مسلم کو پورا ایک لیکچر سنا ڈالا، جو ظاہر ہے کہ بہت تلخ تھا اور اسی تلخی نے وہ زہر پھیلایا کہ دونوں کی بول چال بند ہوئی اور مسلم دل برداشتہ ہو کر پروگرام سے پہلے ہی واپس چلا گیا۔

اگرچہ اسلم حق پر تھا، مگر نصیحت کرنے کا انداز غلط تھا اور غصّہ پر قابو نہ پا کر سچّی بات کو نفرت کا رنگ دے کر کہا گیا تھا، اس لیے نتیجہ خراب نکلا۔ اس خرابی کا اب رہ رہ کر اسلم کو پچھتاوا آرہا تھا۔ دل بہلانے کے لیے وہ کتابوں کی الماری کے پاس جا بیٹھا اور یوں ہی ایک کہانی پڑھنے لگا۔ کہانی کا عنوان تھا:

"قصّہ پری زاد کا اور اس تحفے کا جس نے اس کا دل جیت لیا۔"

آغاز یوں ہوا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قازقستان کے قدیم شہر میں دو نوجوان شہزادے رہتے تھے جو آپس میں بھائی تھے، مگر ایک دوسرے سے بے انتہا دشمنی رکھتے تھے۔ اسلم بڑا تھا۔ وہ قد آور اور خوب صورت تھا، لیکن ساتھ ہی بہت مغرور اور خود غرض بھی تھا۔ خان چھوٹا ہونے کے باوجود بھائی جیسا ہی وجیہہ و خوب رُو نوجوان تھا۔ یہ بہت زیادہ رحم دل اور حاضر دماغ تھا۔ دونوں میں دشمنی کا باعث شہزادی پری زاد تھی، جس کی خوب صورتی کا دور دور شہرہ تھا اور یہ دونوں بھائی بھی اس سے شادی کے خواہش مند تھے، اسی لیے ایک دوسرے کو اپنا رقیب سمجھتے تھے۔

دونوں شہزادوں نے شہزادی پری زاد کے دل پر اپنی محبت کا سکّہ بٹھانے کی بہت کوششیں کیں، مگر لاحاصل۔ انھیں شہزادی کو حاصل کرنے کی کوئی امید نظر نہ آئی۔ ادھر شہزادی بھی ان دونوں حسین و جمیل اور بہادر شہزادوں کو دیکھ کر ایک کا انتخاب نہ کر سکی۔ وہ مشکل میں پڑ گئی کہ کسے انتخاب کرے اور کسے رد کر دے جب کہ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔

شہزادی کی سالگرہ کے جشن میں یہ مسئلہ پھر درپیش آیا۔ آخر شہزادی نے شرماتے ہوئے دونوں کو مخاطب کر کے کہا، "معزز شہزادو! اس سے پہلے کہ میں آپ دونوں میں سے ایک کا انتخاب کروں۔ میں اس معاملے پر غور کرنے کے لیے کچھ اور وقت چاہتی ہوں۔ اس مہلت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپ دونوں کی محبت کا اندازہ ہو جائے۔ میں آئندہ سالگرہ کے جشن تک سوائے اپنے والد بزرگوار کے اور کسی شخص کا منہ نہیں دیکھوں گی یہ آپ سے وعدہ کرتی ہوں۔ آئندہ جشن سالگرہ کے روز میں اپنا فیصلہ آپ کو سناؤں گی۔"

شہزادی ذرا دیر کے لیے رکی، پھر کہا، "اس اثنا میں آپ دونوں مجھے ایک ایک تحفہ پیش کریں۔ شرط یہ ہے کہ تحفے کی قیمت ایک لاکھ رُپے سے ایک پائی زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ تحفہ خریدنے سے پہلے خوب اچھی طرح غور کر لیں، کیوں کہ میں شادی اس کے ساتھ کروں گی جس کا تحفہ میری نگاہ میں ایک لاکھ رُپے سے زیادہ قیمتی ہوگا۔"

یہ عجیب و غریب شرط سن کر دونوں شہزادے اپنے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہر ایک اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے رہا تھا کہ اس کا تحفہ یقیناً شہزادی کا دل جیت لے گا۔ چناں چہ وہ اپنے اپنے تحفے کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔ ان ہی دنوں ایک سوداگر حسین نامی جو قیمتی ہیروں کی سوداگری

کرتا تھا، شہر میں وارد ہوا۔ اس نے جب دونوں شہزادوں کی رقابت اور شہزادی پری زاد کو حاصل کرنے کی کش مکش کا چرچا سنا تو وہ پہلے اسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادے کے سامنے پیش ہوتے ہی اس نے شہزادے کے قدموں میں ایک کپڑا پھیلا دیا اور اس پر اپنے تمام ہیرے جواہرات بکھیر دیے۔ جن کی چمک دمک سے ایسی جھلمل ہونے لگی، جیسے ندی میں چاند کی کرنیں پڑ رہی ہوں۔ ان میں بڑے بڑے ہیرے، یاقوت، زمرد اور دوسرے بے حد قیمتی موتی تھے۔

جواہرات کے اس ڈھیر میں اسلم کی نگاہ ایک بہت بڑے یاقوت پر پڑی۔ اُس نے فوراً اسے اٹھالیا اور انگلیوں میں گھما پھرا کر دیکھنے لگا۔ یاقوت کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ ہر طرف سے سرخ شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ یہ یاقوت شتر مرغ کے انڈے جتنا بڑا تھا اور شہزادے نے آج تک اتنا بڑا یاقوت نہ دیکھا تھا۔ اس کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا اور چہرے پر فتح مندی کی مغرور مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ یہ ایک نہایت شاندار تحفہ تھا۔ وہ سوداگر سے مخاطب ہوا،

"اے نیک دل سوداگر، ہم تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ تم نے سب سے پہلے ہمیں انتخاب کا موقع دیا۔ ہم یہ یاقوت خریدتے ہیں لیکن اس کی قیمت ایک لاکھ رُپے ادا کی جائے گی۔" سوداگر رضامند ہوگیا۔ رقم ادا کرتے ہی شہزادے نے ایک خاص قاصد کے ہاتھ وہ یاقوت کا تحفہ شہزادی پری زاد کی خدمت میں بھجوا دیا۔ اسے پورا اطمینان ہوگیا کہ اس کے بھائی کو اس سے بہتر تحفہ ہرگز نہیں مل سکے گا۔ اس یاقوت کی قیمت کا اندازہ یقیناً ایک لاکھ رُپے سے کہیں زیادہ لگایا جائے گا۔

دوسرے دن حسین سوداگر خان کے حضور میں پیش ہوا۔ اس بار بھی اس نے اپنا کپڑا فرش پر بچھا دیا اور اپنے ہیرے، جواہرات اس پر پھیلا دیے، لیکن شہزادے نے اس کے قیمتی ہیروں کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا، بلکہ کسی سوچ میں گم رہا۔ آخر سوداگر کے پوچھنے پر شہزادے نے کہا،

"آپ تجربہ کار اور عقل مند معلوم ہوتے ہیں۔ ایک سوال ہے اسے حل کرنے میں میری مدد کریں۔ مجھے یہ بتائیں وہ کون سا تحفہ ہے جو بارہ دفعہ دیا جا سکے مگر ایک ہی تحفہ شمار ہو؟"

سوداگر کچھ دیر سر جھکائے غور کرتا رہا، پھر ایک دم سر اٹھا کر شہزادے کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں کامیابی کی چمک تھی۔ اس نے بارہ

نہایت خوش نما ہیروں کا ایک ہار شہزادے کی طرف بڑھایا۔ تمام ہیرے نہایت خوب صورتی سے تراشے ہوئے اور نفاست سے ایک ڈوری میں پروئے ہوئے تھے۔ سوداگر نے کہا،

"شہزادۂ عالم! ہیروں کے اس ہار کی ڈور کاٹ دینے سے آپ کے پاس بارہ ہیرے ہوں گے۔ ہر ایک ہیرا ایک خوب صورت تحفہ ہے، لیکن اس کے باوجود جب ان سب کو دوبارہ ایک جگہ ڈوری میں پرو دیا جائے تو یہ پھر صرف ایک تحفہ بن جائے گا، جو ہار کی صورت میں ہو گا۔"

شہزادہ خان خوشی سے اچھل پڑا اور بے اختیار کہا، "مہربان سوداگر! میں آپ کی عقل مندی اور ذہانت کا قائل ہو گیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!" شہزادے نے فوراً ایک لاکھ رُپے میں وہ ہار خرید لیا حالاں کہ وہ اس سے بہت کم قیمت کا تھا۔

اب وہ ہر مہینے اپنی محبت کی نشانی کے طور پر شہزادی پری زاد کو ان ہیروں میں سے ایک ہیرا بھیج دیتا۔ پہلے ہیرے کے ساتھ اس نے ڈوری اور ایک رقعہ شہزادی کی خدمت میں بھیجا۔ رقعہ میں لکھا،

"شہزادئ عالیہ! تمام ہیرے ایک دوسرے کے بعد اس ڈوری میں پروتی رہیں۔ میری محبت کی بارہ نشانیاں آپ کے پاس جمع ہو کر میری طرف سے صرف ایک تحفہ بن جائیں گی، جو آپ کے خوب صورت گلے کی زینت ہو گا۔"

جب ایک سال گزر گیا اور شہزادی کی سال گرہ کا دن آیا تو یہ دونوں امیدوار شہزادی پری زاد کے محل میں پہنچے۔ اسلم بڑے غرور سے مسکرا رہا تھا۔ خان کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ دونوں بھائی آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ کر شہزادی کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اسلم نے اپنے رقیب بھائی کی طرف دیکھ کر طنزاً پوچھا، "آپ ہماری شادی پر کیا تحفہ دیں گے؟ میں ابھی بتائے دیتا ہوں کہ ہم آپ سے کوئی شان دار تحفہ لیں گے۔"

اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دونوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ آہستہ سے کھلا اور پری چہرہ شہزادی نمودار ہوئی۔ وہ اطلسی کمخواب کی ساڑھی میں ملبوس سچ مچ پری معلوم ہو رہی تھی۔ دونوں دم بخود ہو کر شہزادی کو تکنے لگے۔ شہزادی خاموش کھڑی رہی، کیوں کہ اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کا فیصلہ خود منھ سے بول رہا تھا۔ اس کی خوب صورت صراحی دار گردن میں خان کے بھیجے ہوئے ہیروں کا ہار اپنی بہار دکھا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد پری زاد نے کہا، "آپ دونوں شہزادے بہت بہادر اور خوب صورت ہیں۔ دونوں بے حد امیر بھی ہیں۔ دونوں دل موہ لینے والے تحفوں کا انتخاب کرتے ہیں۔" وہ ذرا رکی پھر کہا، "خان کا تحفہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مجھ سے کتنی زیادہ محبت کرتے ہیں، جب کہ آپ کا تحفہ۔" شہزادی نے اسلم کی طرف دیکھ کر کہا، "آپ کا تحفہ یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو اپنی امیری پر کتنا غرور ہے۔ لہٰذا میں خان سے شادی کرنا پسند کرتی ہوں۔"

اس کہانی میں یہ سبق تھا کہ ایک تحفے سے چاہے وہ کتنا ہی قیمتی ہو بارہ تحفے کہیں زیادہ خوشی کا باعث بنتے ہیں۔ اسلم یہ کہانی پڑھ کر سوچنے لگا، "کیا ہار ہی ایک ایسا تحفہ ہے، جو بارہ دفعہ دیے جانے کے بعد بھی ایک ہی تحفہ شمار ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی۔" سوچتے سوچتے وہ اچھل پڑا۔ اسی وقت اس نے مسلم کو خط لکھا، جس میں اپنے غلط رویے کی معافی مانگتے ہوئے لکھا کہ میں نے تمھارے نام سے ہمدرد نونہال کا سالانہ چندہ جمع کرا دیا ہے۔ اب ہر مہینے ہمدرد نونہال کا پیارا پیارا رسالہ تمھیں بھی گھر پہنچ جایا کرے گا اور ہر مہینے میری یاد دلایا کرے گا۔ امید ہے تم میری غلطی معاف کر دو گے۔"



دوسرے دن ہی اسلم نے مسلم کے پتہ پر رسالے کا چندہ منی آرڈر کر دیا۔ اب مسلم کے محبت بھرے خط آنے لگے اور سال بھر بعد جب گرمیوں کی چھٹیوں میں مسلم اُن کے گھر آیا تو ایسی محبت اور جوش سے اسلم سے لپٹ کر گلے مِلا، جیسے وہ مدّت کے بچھڑے ہوئے ہوں۔ اس کے ہاتھ میں ایک موٹی سی خوب صورت جلد تھی، جو اس نے اسلم کے ہاتھ میں تھما دی اسلم نے کھول کر دیکھا تو وہ ہمدرد نونہال کے بارہ پرچوں کی جلد تھی۔

پوری کی پوری کہانی



"اب مجھے اپنی باری لینے دو۔" رضیہ نے اپنا حق جتاتے ہوئے کہا، لیکن ثریا نے اُسے ڈھکیلتے ہوئے کہا، "تم اچھی طرح چھلانگ نہیں لگا سکتیں، میں تمھیں اپنے ساتھ کھلانا پسند نہیں کرتی، تم ضرورت سے زیادہ نیک ہونے کا دم بھرتی ہو، لیکن..." اس نے اپنے جملہ کو مکمل نہیں کیا۔

رضیہ سر لٹکائے ہوئے چلی گئی، وہ بہت رنجیدہ تھی، "میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔" اس نے سوچا، "میں ویسی ہی چھلانگ لگا سکتی ہوں، جیسی دوسری لڑکیاں۔ بات یہ ہے کہ ثریا مجھے کھلانا ہی نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ میں اسے اپنے جیسا بنا سکوں۔"

"اخاہ" ایک شرمیلی سی آواز آئی۔ رضیہ نے سر اوپر اٹھایا، ایک لڑکی جو کلاس میں نئی داخل ہوئی تھی، سامنے کھڑی تھی۔ "ارے زینب!" رضیہ نے کہا، "کہو! نئے اسکول میں تمھارا دل لگ رہا ہے؟" "کچھ زیادہ نہیں!" زینب نے کہا، "مجھے اپنا پرانا اسکول زیادہ پسند تھا۔"

"یہاں بھی بہت جلد تمھارا دل بہل جائے گا۔" رضیہ نے کہا، "آج شام ہمارے گھر آؤ نا، امی میری سہیلیوں کو دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوتی ہیں۔"

"شکریہ، میں بخوشی آؤں گی اگر مجھے اجازت مل گئی۔"

رضیہ نے گھر جاکر اپنی ماں سے زینب کا ذکر کیا۔ ماں نے کہا، "میں خود زینب کے گھر جاکر زینب کی ماں سے کہوں گی کہ وہ اسے ہمارے ہاں آنے کی اجازت دے دیں۔

"نئی جگہ سب کا دل گھبراتا ہے، اچھے لوگ نئے لوگوں اور ہم جولیوں کے ساتھ مہربانی اور تواضع سے پیش آتے ہیں، زینب سے کہہ دو کہ کل میں اس کے گھر آؤں گی۔" ماں نے کہا۔

دوسرے دن رضیہ دوڑتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی، وہ کمرے کا دروازہ کھولنے ہی والی تھی کہ اس کی ماں کسی سے کہہ رہی تھی، "...... بچاری کس قدر دکھ میں ہے، زینب کی پرورش اور دیکھ بھال بھی اسے کرنی پڑتی ہے۔ شوہر دو سال سال تک جیل میں رہا۔ اب بہت بیمار ہے۔ پورے خاندان کو بڑی مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ خدا رحم کرے۔"

رضیہ بے حرکت ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔ جو کچھ اس نے سنا اس پر یقین نہیں آرہا تھا۔ زینب نے اسے بتایا تھا کہ اس کا باپ عرصے سے بہت بیمار ہے۔ وہ جیل میں کیسے رہا ہوگا۔ ضرور کوئی دھوکا ہوا ہے.... لیکن امی کی باتیں میں نے بالکل صاف صاف سنی ہیں۔ ضرور یہ بات ٹھیک ہے۔

دوسرے دن جب اس نے زینب کو اسکول میں دیکھا تو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بات کرے۔ "تمھاری ماں میرے والدین سے ملنے آئی تھیں۔" زینب نے دوڑ کر رضیہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا، "میری امی کس قدر ان کی شکر گزار ہوئیں، لیکن وہ ابا کو چھوڑ کر تمھارے یہاں نہیں آسکتیں۔ وہ بہت بیمار ہیں۔"

"اب تمھارے والد کا کیا حال ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"آج کچھ بہتر ہیں، شکریہ۔"

"کیا وہ جیل میں تھے جب وہ بیمار ہوئے؟" رضیہ نے اس کے چہرہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کے سوال کا زینب پر کیا اثر ہوتا ہے، لیکن اس سے پہلے کہ زینب کوئی جواب دے کسی نے اس کے بازو کو پکڑا۔ اس نے گھوم کر دیکھا تو ثریا اس کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔

"اچھا تو ان کا باپ جیل میں تھا۔" ثریا نے نفرت بھرے لہجے میں کہا، "بہت خوب، نیک بنّو رضیہ تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"یہ صحیح نہیں۔" زینب نے بلند آواز میں کہا، تم نے ایسی بے ہودہ بات کیسے کہی۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

"یہ جھوٹ نہیں ہے۔" رضیہ نے تڑخ کر کہا، "میں نے اپنی ماں کو یہ کہتے سنا ہے۔ یہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔"

"میں تمھاری جگہ ہوتی تو میں ایک سزا یافتہ باپ کی لڑکی کو کبھی منہ نہیں لگاتی۔" ثریا نے رضیہ کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا، "اگر تمھاری ماں نے کہا ہے تو ضرور صحیح ہے۔"

زینب روتی اور سسکیاں بھرتی ہوئی اسکول کے گیٹ سے نکل کر چلی گئی۔

رضیہ کا باقی دن بہت اداس گزرا۔ ثریا نے آج اسے کھیل میں پہلی باری دی اور شام تک اس کے ساتھ رہی، لیکن رضیہ رنجیدہ ہی رہی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے برابر وہ سماں موجود رہا جب زینب سسکیاں بھرتی ہوئی اسکول کے پھاٹک سے نکل رہی تھی۔

رضیہ جب گھر پہنچی تو اس نے چائے پینے سے انکار کر دیا، کیوں کہ رنج و غم نے اس کی بھوک کو مار دیا تھا۔ اس نے چائے کی پیالی کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا۔

"کیا بات ہے؟" ماں نے پیار سے پوچھا۔

"اماں کتنا بُرا ہوا۔" رضیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، "میں نے آپ کو کہتے سنا تھا کہ زینب کے باپ جیل میں تھے اور ثریا نے مجھے زینب سے یہ سوال کرتے ہوئے سُن لیا کہ کیا تمھارے باپ جیل میں تھے۔" پھر اس نے پورا واقعہ سنایا۔

ماں نے یہ ماجرا سن کر ٹھنڈی سانس لی، اُسے بھی اس واقعہ سے بہت دکھ ہوا۔ اُس نے کہا، "آدھی بات سن کر نتیجہ نکال لینا بہت خطرناک ہوسکتا ہے، تم نے زینب پر بڑا ظلم کیا۔ اس کا باپ بہت بہادر آدمی ہے۔ وہ جنگ کے دوران میں دو سال تک دشمنوں کی قید میں رہا۔ جب وہ رہا ہوا تو اُسے بہادری پر میڈل دیا گیا اور اس کی بیماری ان اذیتوں کی وجہ سے ہے جو اُسے قید میں پہنچائی گئیں۔"

"آہ! امّی! اب میں کیا کروں، مجھے اپنے اوپر بڑی شرم آرہی ہے۔" رضیہ نے کہا۔

ماں نے کہا، "اب تم اسی وقت زینب کے پاس جاؤ اور اس سے معافی مانگو، شاید وہ تمھیں معاف کردے۔"

یہ بہت سخت بات تھی، لیکن زینب کی حالت کو یاد کرکے وہ ماں کے حکم پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہوگئی۔ جب وہ زینب کے گھر جارہی تھی تو سوچ رہی تھی کہ آدھی بات سن کر اسے پھیلانا کس قدر خطرناک اور کیسی ذلت کا سبب ہوسکتا ہے۔

جب رضیہ زینب کے گھر پہنچی تو اس کی ماں نے اسے بہت پیار سے بٹھایا اور جب اُس نے سارا قصّہ سنایا تو اس کی ماں نے کہا، "اپنی غلطی کو مان لینا بڑی بہادری کی بات ہے، میں اس ہمّت پر تم کو آفریں کہتی ہوں۔" پھر زینب کو بلا کر دونوں کو گلے ملا دیا۔ دونوں کی آنکھیں محبت کے آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

بچّوں کے بھولے بھالے لطیفے



چھوٹے بچّوں کے ایک مِشن اسکول میں معائنے کے لیے بڑے پادری آنے والے تھے۔ فکرمند معلّمہ نے اس موقع کے لیے کچھ سوالوں کے جوابوں کی مشق کرادی، مثلاً اس نے پیٹر نام کے ایک لڑکے سے کہا کہ دیکھو، جب پادری صاحب پوچھیں کہ "کیا تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ تمھیں کس نے بنایا؟" تو تم کہنا کہ "پادری صاحب! مجھے خدا نے بنایا۔" اور سب بچّے خاموش بیٹھے رہیں گے۔

معائنے کے دن پادری نے وہی متوقع سوال پوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہمیں کس نے بنایا"؟ کلاس کے سب بچّے خاموش بیٹھے رہے۔ پادری صاحب نے اپنے سوال کو پھر دہرایا۔ پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ آخر ایک چھوٹی سی لڑکی نے کھڑے ہوکر کہا "جس لڑکے کو خدا نے بنایا ہے وہ آج اسکول نہیں آیا ہو۔ اُس کے چیچک نکلی ہے۔"

★ ★ ★

ایک ابتدائی جماعت کے بچّوں سے ماسٹر نے یہ سوال پوچھا "تمھاری لکھنے کی میز پر سات مکھّیاں بیٹھی ہیں۔ اگر تم نے ان میں سے ایک مکھی کو مار ڈالا تو بتاؤ کتنی مکھیاں میز پر باقی رہ گئیں؟"

ایک منہ سے منطقی شاگرد نے جواب دیا "صرف ایک ——— وہ جو مرگئی ہے۔"

★ ★ ★

ایک خاتون نے دیکھا کہ اس کا تین برس کا بچّہ پنجوں کے بل کھڑے ہو ہو کر

بجلی کے سُوئچ کو دبانے کی بار بار ناکام کوشش کر رہا ہے۔ اس نے بچّے سے کہا، "بیٹا، ابھی تم بہت چھوٹے ہو، تم سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔" مگر بچّہ برابر کوشش کرتا رہا۔ ایک کمرے سے دوسرے میں گیا، دوسرے سے تیسرے میں گیا۔ آخر وہ دوڑا ہوا ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا "امّاں، اب میں بتّی جلا بھی سکتا ہوں اور بجھا بھی سکتا ہوں۔" ماں نے کہا، "خدا خیر کرے، چلو مجھے دکھاؤ، تم کیوں کر بتّی جلا اور بجھا سکتے ہو؟" بچّے نے اپنی آنکھیں زور سے بند کر کے کہا، "دیکھیے بتّی بجھ گئی۔" اس کے بعد اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور اپنی فتح مندی پر نازاں ہو کر کہا، "دیکھیے، اب بتّی روشن ہو گئی۔"

★ ★ ★

ایک چھوٹا بچّہ پہلی مرتبہ دیہات میں اپنی ماں کے ساتھ کھیت دیکھنے گیا۔ کھیتوں کے قریب ہی ایک جگہ بھیڑیں بندھی ہوئی تھیں اور ان کے ساتھ بہت سے میمنے بھی تھے۔ بچّے نے ہمت کر کے ایک میمنے کی کمر سہلانی شروع کی اور کہنے لگا، "امّاں! یہ لوگ بھیڑیں اور ان کے بچّے کمبلوں سے کیوں بناتے ہیں؟"

★

سلیم کی چھٹی سالگرہ کا عصرانہ تھا۔ بہت سے مہمان آئے تھے۔ سلیم کے دوست احسن نے، جو عصرانے میں شریک تھا، سلیم سے پوچھا، "میں جو رنگوں کا ڈبّہ تمھارے لیے لایا ہوں، وہ تمھیں پسند آیا؟" سلیم نے جواب دیا، "احسن وہ بہترین تحفہ ہے۔" لیکن اُسے فوراً اپنے دوسرے دوستوں اور ان کے تحفوں کا خیال آیا، مگر وہ ذرا نہیں گھبرایا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا، "جو تم نے مجھے کبھی دیا ہو۔ اس سے اچھا تحفہ تم نے مجھے کبھی نہیں دیا۔"



★ ★ ★

ایک ماسٹر صاحب بچوں کو ساتھ لے کر زو (جانور خانے) کی سیر کرانے گئے، جن جانوروں کے پاس سے بچے گزرتے تھے، ماسٹر صاحب ان جانوروں کی عادتیں اور خصلتیں انھیں بتاتے جاتے تھے۔

اسی طرح سارس کے کٹہرے کے پاس پہنچ کر ماسٹر صاحب نے لڑکوں سے پوچھا، "کیا تم میں سے کوئی جانتا ہے کہ سارس اکثر ایک ٹانگ پر کیوں کھڑا رہتا ہے؟"

ایک من چلا بچہ کافی غور کرنے کے بعد بولا، "میرا خیال یہ ہے کہ سارس جانتا ہے کہ اگر وہ اپنی دوسری ٹانگ بھی اوپر اٹھالے گا تو گر جائے گا۔"

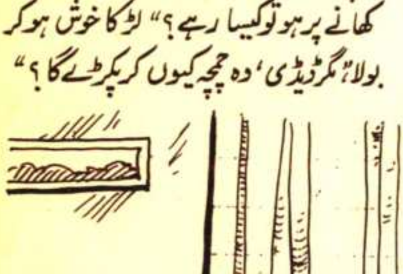
★ ★ ★

ایک صاحب کا بچہ، جس کی عمر تین سال تھی، کافی بیمار پڑ گیا۔ ڈاکٹر کو علاج کے لیے بلانا پڑا۔

ڈاکٹر نے بچے کے کولھے میں پنسلین کا انجکشن لگایا۔ جب انجکشن لگ چکا تو بچے نے آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں سے ڈاکٹر کو دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا، "اب میں کیا محسوس کر رہا ہوں؟"

★ ★ ★

ایک چار برس کے لڑکے کو دو خرگوش کے بچے تحفے میں دیے گئے۔ جب وہ بچے کچھ بڑے ہوئے تو گھر بھر میں دوڑے دوڑے پھرنے لگے اور اس کے ماں باپ کو پریشان کرنے لگے۔ لڑکے کے ماں باپ اس فکر میں پڑ گئے کہ ان خرگوشوں سے کیوں کر پیچھا چھڑایا جائے، مگر کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر ایک دن لڑکے کے باپ نے اس سے پوچھا، "بیٹا، تمھارا ایک خرگوش اگر آج رات کھانے پر ہو تو کیسا رہے؟" لڑکا خوش ہو کر بولا، "مگر ڈیڈی، وہ چمچہ کیوں کر پکڑے گا؟"




ان کے
مستقبل کا
تحفّظ کیجئے
NATIONAL BANK OF PAKISTAN
Saving Bank Account pay
مشرقی اور مغربی پاکستان میں ہماری
۴۱۹ شاخوں میں سے کہیں بھی
سیونگ بینک اکاؤنٹ
کھولا جا سکتا ہے

کچھ کہو کچھ سنو



عزیز اختر ۔ نئی دہلی

س: انسان؟

ج: بولنے والا حیوان!

احسان الحق ۔ کراچی

س: ہمدرد نونہال کو آپ سفید کاغذ پر کیوں نہیں چھاپتے؟

ج: سفید کاغذ ملنے لگے تو بڑی خوشی سے ہم نونہال کو زیادہ سفید بنائیں گے۔

خورشید احمد وارثی ۔ سکھر

س: عمل کے بغیر علم؟

ج: عمل کے بغیر علم آتا ہی نہیں اور علم کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا۔

محمد جنید ۔ سیکری

س: کوہ نور ہیرا کس ملک میں ہے؟

ج: کوہ نور ہیرا برطانیہ میں ہے، کیوں ارادہ نیک ہے؟

صغیر احمد ۔ قاہرہ

س: منافق کی تعریف؟

ج: جو منھ پر تمھاری تعریف کرے اور بعد میں برائی!

کلیم اشرف فریدی ۔ کراچی

س: ایک لفافے میں کتنی چیزیں بھیجی جاسکتی ہیں؟

ج: تم شاید "کچھ کہو، کچھ سنو" کے صفحات غور سے نہیں پڑھتے اس سوال کا جواب ہم کئی بار دے چکے ہیں کہ ایک لفافہ میں تم

چاہو جتنی چیزیں بھیج سکتے ہو، مگر ہر چیز الگ کاغذ پر لکھو اور ہر چیز پر نام و پتہ پورا لکھو۔

محمد سلطان خان ۔ کھلنا

س: آپ ایک نام کے دو سوالوں کے جواب کیوں نہیں دیتے ؟

ج: ایک نونہال کے کئی سوالات کے جواب دیں تو کسی دوسرے نونہال کے ایک سوال کا جواب بھی نہ آنے پائے۔

زین العابدین ۔ کراچی

س: "امریکا، روس، جاپان کو" صنعتی ترقی کے لحاظ سے نمبر دیجیے۔

ج: ان سب ممالک سے ہمارے دوستانہ تعلقات ہیں، نمبر دے کر ہم کیوں کسی کو ناراض کریں۔

غلام حسین ہاشمی ۔ پنڈی گھیب

س: بھائی سب سے اچھی ورزش کون سی ہے؟

ج: صبح سویرے کی چہل قدمی اور کھلی ہوا میں گہرے اور لمبے سانس لینا۔

شاہد خلیل نعمانی ۔ کراچی

س: دنیا کی سب سے بڑی نہر؟

ج: نہر سویز دنیا کی سب سے لمبی نہر ہے جو ایک سو چار میل لمبی اور چالیس فیٹ گہری ہے

جہانگیر احمد ظہیر ۔ ڈیرہ غازی خان

س: کیا آپ بھی ہمدرد نونہال پڑھتے ہیں ؟

ج: ہم رسالہ چھپنے سے پہلے بار بار پڑھتے ہیں! تم چھپنے کے بعد کتنی بار پڑھتے ہو ؟

عبدالخالق ہارون ۔ گوادر

س: مشرقی پاکستان کی آبادی زیادہ ہے یا مغربی پاکستان کی ؟

ج: ہمارے مشرقی پاکستانی بھائیوں کی تعداد مغربی پاکستانی بھائیوں سے زیادہ ہے۔

شمیم احمد ۔ سیکری

س: ہمدرد نونہال کہاں کہاں پڑھا جاتا ہے ؟

ج: جن جن ملکوں میں اردو جاننے والے رہتے ہیں۔

شیخ مقبول احمد فیاض ۔ پیلاں

س: اتنے اچھے سرورق نکالنے پر کیا پیش کروں ؟

ج: سرورق کی تعریف کا شکریہ قبول کرو۔

جمشید عالم مرزا ۔ سرائے نعمت خاں

س: بھائی جان کیا آپ بھی بچّوں کی طرح مٹھائی پسند کرتے ہیں ؟

ج: جی ہاں ہم مٹھائی کھانا پسند کرتے ہیں کب تک بھیج دو گے

طاہرہ حمید ۔ کوئٹہ

س: بنگالی کے مشہور شاعروں کے نام تو بتایئے ؟

ج: ہماری ایک قومی زبان بنگلہ کے تین مشہور شاعر ہیں: ٹیگور ۔ نذر الاسلام ۔ غلام مصطفٰے



نونہال ادیب



فیض بچوں کی نظر میں

کوکب رشیدی



فیض احمد فیض نہ صرف بڑوں ہی کے شاعر ہیں، بلکہ انھوں نے بچوں کی بھی کافی نظمیں لکھی ہیں۔ اس لحاظ سے فیض بچوں کے بھی اچھے شاعر ہیں، ان کی کچھ نظمیں میرے ہاں بھی موجود ہیں، لیکن یہاں طوالت کی وجہ سے ڈر کر میں ان کی ایک نظم پیش کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ نہ صرف آپ کے بچے، بلکہ اسکول کالج وغیرہ کے ہر لڑکے کو یہ نظم بڑی اچھی لگے گی، کیوں کہ اس کو جس نے بھی دیکھا نہ صرف پسند کیا، بلکہ اپنی نوٹ بک میں نوٹ بھی کر لیا۔ ایسی صورت میں میں یہ کیسے سمجھ سکتا کہ آپ میں سے کسی ایک کو پسند نہ آئے؟ اس نظم کو اب تک بہت سے لڑکوں نے بے حد پسندیدگی کی بنا پر یاد بھی کر لیا ہے۔ اب میں یہاں فیض کی وہ نظم پیش کرتا ہوں اس کا عنوان ہے،

"پرسو پرسا پرس رام"

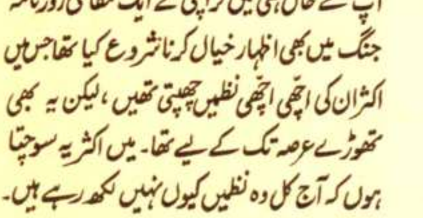
ایک لڑکا جس کا پرسو نام تھا
پڑھنے لکھنے میں بڑا ناکام تھا
اس نے جب بھی امتحاں کوئی دیا
اس کو ہر پرچہ میں انڈا ہی ملا
اس نے سب انڈے اکٹھے کر لیے
بیچنے کو ٹوکری میں دھر لیے
چیز عمدہ تھی ملے گاہک ہزار
بن گیا وہ اس طرح وہ مال دار
باقی انڈے جو بچے اے مہرباں
اس نے ان پر لا بٹھائیں مرغیاں
بیس دن کے بعد وہ چوزے بنے
جن کو کھانے کے لیے ملتے چنے
ہو گئے جس وقت وہ پل کر جواں
ڈھیر لگ جاتا تھا انڈوں کا وہاں
بیچتا تھا روز بر سا بے شمار
لوٹتا رہتا تجارت کی بہار
چار پیسے جیب میں رہنے لگے
لوگ اب پرسا اسے کہنے لگے
فیض اب دولت ہے اس کے پاس عام
لوگ سب کہتے ہیں اس کو پرس رام

اب فیض احمد فیض کا تھوڑا سا تعارف جو کچھ میں ان کے بارے میں جانتا ہوں پیش کرتا ہوں۔ فیض احمد فیض نہ صرف پاکستان ہی کے مشہور شاعر ہیں، بلکہ اُن کی شہرت ہندستان میں بھی کافی ہے۔ حال ہی میں آپ نے کئی ملکوں کا دورہ کیا۔ جب انھوں نے ماسکو کا دورہ کیا اعلا شاعر ہونے کی حیثیت سے لینن پرائز بھی ملا اور انھیں وہاں اچھی سے اچھی نوکری کے لیے کہا گیا، مگر انھوں نے کہا، "مجھے پاکستان سے محبت ہے اور میں پاکستان ہی میں رہوں گا۔"

فیض احمد فیض کی نظمیں حال ہی بند ہونے والے مشہور ہفتہ وار لیل و نہار لاہور میں چھپتی تھیں۔ آپ نے حال ہی میں کراچی کے ایک مقامی روزنامہ جنگ میں بھی اظہار خیال کرنا شروع کیا تھا جس میں اکثر ان کی اچھی اچھی نظمیں چھپتی تھیں، لیکن یہ بھی تھوڑے عرصہ تک کے لیے تھا۔ میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ آج کل وہ نظمیں کیوں نہیں لکھ رہے ہیں۔

سچی کہانی :

میمونہ خلیل نعمانی
کراچی



ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ سڑکوں اور گلیوں

میں بچّے عید کی خوشی میں رنگ برنگے کپڑے پہنے کھیل کود رہے تھے۔ وہیں ایک لڑکا ایک گلی کے کونے پر بیٹھا رو رہا تھا۔ اس کے کپڑے پھٹے پرانے اور گندے تھے۔

حضورؐ نے اس بچّے کو دیکھ کر پوچھا، "تم کیوں رو رہے ہو۔ ان بچّوں کے ساتھ کھیلتے کیوں نہیں؟" لڑکے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ ہی رسولِ کریم ہیں۔ روتے ہوئے اس نے جواب دیا، "میرے ابّا حضور کے ساتھ ایک جہاد میں گئے تھے، وہ وہیں شہید ہو گئے۔ میری والدہ نے دوسرے شخص سے شادی کر لی اور میرے نئے والد نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ وہ مجھے کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں دیتے۔ جب میں دوسرے بچّوں کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھتا ہوں تو اپنی حالت پر مجھے بہت افسوس ہوتا ہے اور میں بے اختیار رونے لگتا ہوں۔"

حضورِ اکرم نے اس لڑکے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، "کیا یہ تم پسند کرو گے کہ میں تمھارا ابّا، عائشہ تمھاری امّی اور فاطمہ تمھاری بہن اور علی تمھارے چچا اور حسن و حسین تمھارے بھائی بن جائیں۔"

لڑکا کچھ دیر کے لیے حیران ہو گیا اور پھر اچانک بول اٹھا، "کیوں نہیں یا رسول اللہ۔"

حضور اس لڑکے کو فوراً اپنے گھر لے گئے۔ جلدی جلدی نہلا دھلا کر اچھے اچھے کپڑے پہنائے اور پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ لڑکا نئے کپڑے پہن کر بہت خوش ہوا اور دوڑتا ہوا گھر سے نکل گیا اور ان کھیلتے ہوئے لڑکوں سے جا ملا۔ وہ لڑکے اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے "ابھی تو تم رو رہے تھے اور تمھارے کپڑے بھی میلے تھے۔ یہ تمھیں کیا ہوا اور کیسے ہوا؟"

لڑکے نے کہا، "میں بھوکا پیاسا تھا، حضور نے مجھے کھلایا، پلایا، میرے کپڑے میلے تھے حضور نے مجھے نئے کپڑے دیے، میں پہلے یتیم تھا اور اب حضور میرے والد، حضرت عائشہ میری والدہ، فاطمہ میری بہن، علی میرے چچا اور حسن و حسین میرے بھائی ہیں۔" جب سب لڑکوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگے "کاش ہمارے باپ بھی اسی جہاد میں مارے گئے ہوتے تاکہ ہمیں بھی یہ خوش نصیبی حاصل ہوتی۔"

کام یاب زندگی :

تنویر جہاں
حیدرآباد



نونہال بہنوں اور بھائیو!

میرے مضمون کا عنوان ہے "کام یاب زندگی" کام یاب زندگی اللہ پاک کا بہترین انعام ہے۔ آئیے ہم سب آج سے عہد کریں کہ ہم تمام اچھی باتوں پر عمل کریں گے۔ سب سے پہلے تو ماں باپ کا کہنا ماننا۔ ان کی کبھی نافرمانی نہیں کریں گے۔ ماں باپ ہم سے خوش ہوں گے تو ہم اللہ پاک کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم اسکول میں استاد کا ادب کریں اور اچھے بچّوں کو اپنا دوست بنائیں۔ اور ہم شوق و محبت سے دل لگا کر پڑھیں وقت کی پابندی کریں یہ نہیں کہ کھیل کے وقت تو پڑھ رہے ہیں اور پڑھائی کے وقت کھیل رہے ہیں۔ ہر کام وقت پر کریں، کیوں کہ وقت وہ نایاب موتی ہے، جسے ہم کسی قیمت پر بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ پانچوں وقت کی نماز کی پابندی کریں ہر نماز وقت پر ادا کریں، کیوں کہ اللہ پاک کے نزدیک وہ نماز سب سے بہتر ہے، جو وقت پر ادا کی جائے۔ اور ہر ایک کے ساتھ اخلاق و تمیز سے ملیں۔ سب سے پہلے خود سلام کریں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ چھوٹے بچوں کو اچھی اچھی بھلائی کی باتیں اور کہانیاں سنائیں، بجائے اُن کہانیوں کے جو جن، پریوں کی ہوتی ہیں۔ اور ہم کسی کو اپنے سے بدتر یا نیچا نہ سمجھیں، سب کو ایک جیسا سمجھیں، کیوں کہ سب خدا کے بندے ہیں۔ اس لیے نونہال بہنوں اور بھائیوں آپ جلدی سے بری باتوں کو چھوڑ کر اچھی باتوں کو پکڑ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عابد سہارن پوری
لاہور

محنت کا پھل :



کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایران کا بادشاہ نوشیرواں عادل شکار کھیلنے کے لیے شہر سے باہر نکل گیا۔ راستے میں اس کی نظر ایک بوڑھے ضعیف آدمی پر پڑی۔ کیا دیکھتا ہے کہ بوڑھا آدمی چند درخت لگا رہا ہے۔ نوشیرواں اس آدمی کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ نے بوڑھے آدمی کو نزدیک بلایا اور پوچھا تم اس زمانے میں درخت لگا رہے ہو جب کہ تمھاری زندگی کے چند دن باقی ہیں جاؤ آرام کرو۔ تمھیں ان کے لگانے سے کیا فائدہ ملے گا۔

بوڑھے آدمی نے جواب دیا۔ بادشاہ سلامت

دوسرے لوگوں نے ہمارے لیے درخت لگائے تھے، جن سے ہم نے فائدہ حاصل کیا۔ اب ہم آنے والی نسلوں کے لیے یہ پودے لگا رہے ہیں۔

بادشاہ کو اس عقل مند بوڑھے کی بات پسند آگئی۔ اور اس کی مٹھی سونے کے سکّوں سے بھر دی۔

اس کے بعد بوڑھے آدمی نے بادشاہ نوشیرواں سے کہا، "دیکھا بادشاہ سلامت ہمارا درخت آج ہی پھل لے آیا۔ اے نیک بخت بادشاہ سلامت میری عمر اسّی سال کے قریب ہے۔ اس کھیتی میں نقصان نہیں ہے۔ مجھے اس کی فصل نے دس سال کا انتظار نہیں دکھایا۔ آج ہی پھل لے آئی ہے"۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور بادشاہ نے خوش ہو کر اس بوڑھے کو گاؤں اور پانی عطا کر دیا۔ اس لیے بچو محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔

کالے سر والے :

امداد الحق
کراچی



اللہ تعالیٰ نے کالے سر والے یعنی آدمی کو ہر چیز پر قادر بنایا ہے۔ ہر بڑی سے بڑی چیز اس سے ڈرتی ہے۔ مثلاً ہاتھی، گھوڑا، شیر، چیتا، اونٹ، اتنے بڑے اور قوی ہونے کے باوجود انسان کے قبضہ میں رہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ کسی جنگل میں ایک شیر رہا کرتا تھا۔ جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بچّے کو یہ نصیحت کی کہ، "بیٹا تو سب کام کرنا، سب سے لڑنا جھگڑنا اور ڈرنا مت، مگر ایک بات یاد رکھنا کہ ایک چیز ہے، اس کا نام ہے آدمی اس کی پہچان ہے کالے سر والا۔ بیٹا اس کو کچھ نہ کہنا، جہاں تک ہو اس سے بچنا اور کبھی آدمی سے ٹکر لینے کی کوشش مت کرنا۔" شیر یہ نصیحت کرنے کے تھوڑے ہی دن بعد مر گیا۔ اب اس کے بچّے کو شوق ہوا کہ جس کو میرے باپ نے منع کیا تھا۔ ذرا دیکھ تو لوں کہ وہ کیسا کالے سر والا ہے اور کتنا بہادر ہے۔ شیر کے بچّے کی یہ بات سن کر تمام جنگل کے جانور اس کو سمجھانے لگے کہ تو کبھی کالے سر والے کا نام نہ لینا وہ تو بہت خطرناک چیز ہے۔ جب اس نے سب سے یہ بات سنی تو اس کا شوق اور دگنا ہو گیا اور اب تو اس نے سوچا کہ کالے سر والے کو ضرور دیکھوں گا۔ غرض سب نے اس کو منع کیا، مگر اس نے کسی کی ایک نہ سنی اور

کالے سر والے کو دیکھنے کے شوق میں چل نکلا۔۔۔
راستے میں اس کو ایک ہاتھی ملا تو اس نے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ ہی آدمی ہوگا، پھر اس کے قریب جا کر اس سے پوچھا، "کیا تو ہی آدمی ہے؟" ہاتھی نے کہا، "میاں کس کا نام لیتے ہو وہ تو نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔" شیر کے بچّے نے کہا، "میں آدمی کو دیکھنے جا رہا ہوں۔" ہاتھی نے کہا، "تم ہرگز ایسی کوشش نہ کرنا۔" مگر شیر کے بچّے نے اس کا کہا نہ مانا اور آگے چلا تو پھر اس کو ایک اونٹ ملا۔ اُس سے پوچھا، "کیا تو ہی آدمی ہے؟" اس نے کہا، "میاں تم کس کا نام لیتے ہو، خدا بچائے آدمی سے۔" شیر کا بچہ پھر آگے بڑھا تو اُس کو آگے ایک کالے رنگ کا گھوڑا ملا۔ اب تو اس کو یقین ہوگیا کہ یہ ہی آدمی ہوگا، کیوں کہ اس کا سر کالا ہے اور اس کے قریب جا کر اس سے پوچھا، "کیا تو ہی آدمی ہے؟" گھوڑے نے کہا، "میاں کس کا نام لیتے ہو خدا بچائے آدمی سے اور کبھی آدمی کی صورت نہ دکھائے۔" اب تو شیر کے بچّے کا شوق اور بھی بڑھتا گیا اور سوچنے لگا، پتہ نہیں وہ کالے سر والا کیسا ہوگا اور پھر آگے بڑھتا گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ ایک پتلا دبلا انسان ایک بہت بڑے درخت کو کاٹ رہا ہے اور اس کا سر کالا ہے اب تو شیر کے بچّے کو یقین آیا کہ یہی آدمی ہے، پھر شیر کے بچے نے آدمی کے قریب جا کر کہا، "کیوں جی کیا تم ہی آدمی ہو؟" وہ آدمی ایک بڑھئی کا لڑکا تھا، نہایت عاجزی سے کہنے لگا، "جی حضور میں ہی آدمی ہوں، فرمائیے کیا حکم ہے۔" شیر کے بچّے نے کہا جب میرا باپ مرنے لگا تھا تو اس نے کہا تھا کہ "کالے سر والے آدمی سے ڈرتے رہنا وہ بہت خطرناک ہوتا ہے"، مگر تم کو تو اگر میں ایک طمانچہ ماروں تو تمہارا دم نکل جائے گا۔ لڑکا عاجزی سے بولا، "جی حضور آپ بہت بڑی ہستی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں، مگر آپ میرے طمانچہ مارنے سے پہلے ایک میرا کام بھی تو کر دیجیے بہت نوازش ہوگی۔" غرض بڑھئی کے لڑکے نے شیر کے لڑکے کو بے وقوف بنا کر کہنے لگا، "حضور میں تو ایک بہت کمزور لاغر انسان ہوں، میرے اندر اتنی طاقت نہیں کہ میں اس درخت کی لکڑی کو الگ کر دوں۔ اگر آپ مضبوط پکڑ کر زور سے کھینچ لیں تو بہت مہربانی ہوگی، لہٰذا میں آرام سے آری چلا سکوں گا" اور بڑھئی کے لڑکے نے درخت کو جو بیچ سے چیرا تھا اس میں ایک لکڑی کا ٹکڑا لگا دیا۔ اور کوئی چیز بیچ میں دے کر ذرا درخت کو کھولا اور شیر کے بچّے سے کہا، "آپ یہاں سے پکڑ کر کھینچ لیں، تو یہ الگ ہو جائے گا۔" جب شیر کے بچّے نے مضبوط پکڑ لیا تو پھر بڑھئی

کے لڑکے نے بیچ میں جو لکڑی کا ٹکڑا لگایا تھا اس کو ہٹا دیا اب تو شیر کے بچّے کے دونوں ہاتھ نہایت مضبوط درخت کے درمیان پھنس گئے اور لڑکا دور کھڑے ہو کر شیر کے بچّے سے کہنے لگا، "کیوں میاں شیر کے بچّے اب بتا تو میرا کیا کر سکتا ہے۔" شیر کا بچّہ جو نہایت مضبوط پھنس گیا تھا، بہت معافی مانگنے لگا اور بہت رونے دھونے لگا اور کہنے لگا،" واقعی کالے سر والا بہت خطرناک ہوتا ہے۔ میرا باپ ٹھیک کہتا تھا، مگر میں نے ایک نہ سنی آج مجھ کو پچھتانا پڑا۔ غرض پھر بڑھئی کے لڑکے نے شیر کو آری سے خوب زدو کوب اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔ جو اپنے بڑوں کا کہنا نہیں مانتے ان کا ہمیشہ ایسا ہی حشر ہوا کرتا ہے۔ پیارے بچو تم بھی اپنے بڑوں کا کہنا مانا کرو، نہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی شیر کے بچّے کی طرح پچھتاؤ۔

سانپوں کی بستی :

محمد محمود پرویز
سیالکوٹ



ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک بوڑھا آدمی ایک جنگل میں رہتا تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا، جس کا نام چاند تھا۔ بوڑھا روزانہ جنگل سے گھاس کاٹتا، اپنا اور اپنے بیٹے چاند کا پیٹ پالتا۔ چاند ابھی چھوٹا ہی تھا، وقت گزرتا گیا۔ اب چاند تقریباً بارہ برس کا ہو گیا۔ ایک دن بوڑھا اپنے بیٹے چاند کو لے کر جنگل میں گھاس کاٹنے کے لیے گیا۔ بوڑھا جب گھاس کاٹ رہا تھا تو گھاس میں اچانک اس کے کھرپے سے مقناطیس چپک گیا۔ بوڑھے نے وہ مقناطیس اپنے بیٹے کو دے دیا۔ چاند روزانہ اس سے کھیلتا اور مزے لوٹتا تھا ایک دن دوبارہ چاند کو اس کا باپ گھاس کاٹنے کے لیے لے گیا اچانک چاند کی نظر دور دراز کچھ گھاس پر پڑی وہاں بہت لمبی لمبی گھاس تھی۔ چاند نے اپنے باپ کو اُس جگہ گھاس کاٹنے کے لیے کہا، اس کا باپ رضامند ہو گیا۔ باپ بیٹا دونوں وہاں چلے گئے وہاں سانپوں کی ایک بستی تھی بوڑھا اور چاند گھاس کاٹنے لگے۔ اچانک چاند کے کھرپے سے ایک سانپ کٹ گیا۔ دونوں حیران پریشان ہو گئے۔ ان کے دیکھتے دیکھتے سانپ کہ سانپ آگئے بوڑھے اور چاند کو اپنے درمیان گھیر لیا۔ سانپوں کی بستی کا ایک بڑا سانپ

سردار تھا جس کے سر پر سنہری تاج تھا اس نے بوڑھے اور چاند سے کہا، "اگر آپ ہمارا ایک گم شدہ منکا لادیں تو آپ کو آزاد کر دیا جائیگا ورنہ پھر آپ کی موت ہوگی۔ ہم آپ کو چار دن کی مہلت دیتے ہیں۔" دونوں بہت پریشان تھے حتیٰ کہ دو دن گزر گئے۔ آخر چاند کو یاد آیا کہ اس نے ایک دن ایک سانپ کو دیکھا تھا جو کہ منھ میں منکا لیے اپنے سوراخ میں جارہا تھا۔ اس کے باپ نے کہا کہ مجھے وہاں لے جاؤ۔ چاند اپنے باپ کو وہاں لے گیا، انھوں نے وہاں سے زمین کو کھودنا شروع کر دیا۔ کافی کھدائی کے بعد وہ بونوں کی دنیا میں پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے مرا ہوا سانپ دیکھا مگر منکا نہ تھا، بونوں نے ان پر تیروں سے حملہ کر دیا۔ ان کے تیر سوئیں کی مانند تھے۔ چاند کی جیب میں مقناطیس تھا، تمام تیر چاند کی جیب سے لٹک گئے۔ جب بونوں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے سردار کو بلا لائے اور یہ کمال دکھایا۔

اُن کے سردار نے چاند سے کہا، کہ مقناطیس ہمیں دے دو ہم تمھاری ہر ممکن مدد کر دیں گے۔ چاند منکے کے عوض مقناطیس دینے پر رضامند ہوگیا۔ دونوں منکا لے کر سانپوں کی بستی میں دوبارہ گئے اور سانپوں کے سردار کو منکا دے کر اپنی جانیں بچائیں۔ سانپوں نے ان کو ایک ایسا درخت بتایا، جہاں ہر روز سونے کا ایک موتی لگتا تھا، اور کہا جب تم کو ضرورت پڑے تو یہاں سے ایک موتی لے جاکر اُسے بیچ کر اپنا گزارا کر لیا کرو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور چند دنوں کے بعد اچھے خاصے امیر ہوگئے۔ اور آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔

ہنسانے کے لیے

خالد: (حامد سے) تم دنیا کے سب سے بڑے بے وقوف ہو۔

ماسٹر صاحب: (جو خالد کو نظر نہیں آئے تھے) خالد! کیا تمھیں نہیں معلوم کہ میں یہاں موجود ہوں

کمال سمیع - کراچی

آدمی: بابو صاحب، جلدی کیجیے، راولپنڈی کا ایک ٹکٹ دے دیجیے۔

بابو: مگر جناب گاڑی دو گھنٹے لیٹ ہے۔

آدمی: آپ تو ٹکٹ دے دیجیے، میرا بھائی بیمار ہے میں پیدل ہی چلا جاؤں گا۔

راجہ محمد سلیم - چکوال

ڈاکٹر: (مریض سے) دوا پی لی تھی؟

مریض: نہیں ڈاکٹر صاحب، دوا پیلی نہیں، کالی تھی۔

تسلیم الٰہی زلفی - کراچی

تمہارا خیال ہے



ہر ماہ پانچ رسالے

ہمدرد نونہال بے حد پسند آیا۔ یقین کیجیے میں اسے اتنا پسند کرتی ہوں کہ ہر ماہ پانچ رسالے خرید کر اپنی سہیلیوں میں تقسیم کرتی ہوں۔ میں سوچتی کہ آپ کے رسالے میں کیا نہیں ہے! سائنس، کہانیاں، قلمی دوستی، معلومات، عربی زبان سیکھو، اچھی اچھی نظمیں، غرض کوزے میں دریا بند کر کے آپ ہر ماہ ہمارے لیے بھیج رہے ہیں اور لکھائی چھپائی تو اتنی عمدہ ہے کہ جس کا حساب نہیں۔ اب کے سر ورق مجھے بہت پسند ہے۔ اتنا اچھا رسالہ چھاپنے پر میری طرف سے مبارک باد لیجیے۔

شہناز رضوی۔ سرگودھا

سائنسی مضامین

بہت دنوں بعد ہمدرد نونہال نظر سے گزرا۔ اسے ایک نئے رنگ میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ نونہال کو اتنا پیارا معلوماتی اور دل چسپ بنانے پر میں آپ کو سارے مشرقی پاکستان کے طالبِ علموں کی طرف سے مبارک باد پیش کرتی ہوں۔

آپ نے سائنسی اور جغرافیائی مضامین کو رسالے میں جگہ دے کر ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔

نونہال کی نظمیں اور تمام مضامین بہت پسند آئے، خاص طور سے "انڈونیشی کہانی" "چیختے بھاگتے جنگل" اور "میرا کیا نام ہے؟"

بھائی جان میں نونہال کے لیے امتحان کے بعد ایک نظم اور کہانی بھیجوں گی، اگر آپ پاکستان کی عظیم شخصیتوں کے انٹرویو نونہال میں شائع کریں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔

نسرین آفتاب۔ ڈھاکہ

دل چسپ

ہمدرد نونہال کا ہر صفحہ دوسرے سے زیادہ دل چسپ تھا۔ آخر ختم کر کے ہی دم لیا، جن میں سے "ایک خوش نصیب غلام"، "راجا کی نیت"، "سچائی کا انعام" "انشاءاللہ"، "نونہال ادیب" بہت پسند آئے۔

نظموں میں سے ماں اور کسان کی نظمیں بہت پسند آئیں۔ اِس لحاظ سے یہ رسالہ اور تمام رسالوں سے بہت اچھا معلوم ہوا، اِس لیے میں مدیرِ اعلا اور مدیرِ معاون کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ جن کی کاوشوں سے ایسا بلند کردار اور نصیحت آموز رسالہ شائع ہوا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ اس رسالے کا بھی ایک خاص سال نامہ ہو، جو کہ پاکستان بھر میں اپنی مثال آپ ہو۔

بختیار محمد۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

مبارک باد

ہمدرد نونہال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ مضامین دل چسپ اور بچوں کے معیار کے مطابق پیش کیے گئے ہیں۔ وحیدہ نسیم کی "شکایت" بہت پسند آئی۔ میری طرف سے مبارک باد کہیے۔ دوسرے مضامین بھی دل چسپ اور بڑے کام کے ہیں۔

سیفی غازی۔ بمبئی نمبر ۱۱

ترقی کی راہ پر

آپ کی کاوشوں سے یہ ننھا منا رسالہ ترقی کی راہ پر گام زن ہے۔ بلاشبہ ہم رسالے کی خوش نمائی اور خوب صورتی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمدرد نونہال بہت جلد بچوں کے رسائل کا سردار مانا جائے گا اور اب تو یہ ظاہر ہی ہے کہ رسالے کے مقابل کا اب کوئی ایسا رسالہ نہیں ہے، جو پیارے پیارے ہمدرد نونہال جیسا حسین ہو۔

اِس دفعہ "کھو گیا دس رُپے کا نوٹ" مجھے بے حد پسند آیا۔ باقی مضامین بھی قابلِ ستائش تھے۔

نجمہ مقبول صدیقی۔ لاہور

سالِ نو

دسمبر کا رسالہ جیسے ہی مجھے ملا، میں اس کو پڑھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ رسالے کا کوئی جواب نہ تھا۔ مجھے آپ کے رسالے میں مندرجہ ذیل مضامین بہت پسند آئے (۱) ہر چیز ایٹموں سے مل کر بنی ہے، (۲) موٹر بوٹ، (۳) کتا بھونکتا کیوں ہے، وغیرہ۔

آپ کے رسالے نے تھوڑے سے عرصے میں جو حیرت انگیز ترقی کی ہے، اس کے لیے میرے پاس کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ میں آپ کو اِتنا اچھا رسالہ بنانے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری آپ سے ایک درخواست یہ ہے کہ آپ سال نامہ ضرور نکالیں۔ خدا کرے ہمارا رسالہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین۔

محمد صدیق۔ حیدرآباد

قسط وار کہانی

دسمبر کا رسالہ پڑھا، بہت پسند آیا، خاص کر "ہر چیز ایٹموں سے مل کر بنی ہے"، "ابوسمبل کا مندر"، "زمین کی پیدائش"، "ایک خوش نصیب غلام کی کہانی"، "لڑکا چھڑ اور لڑکی" اور "چینی سوناموں والی قوم" بہت پسند آئیں۔ اگر آپ کوئی قسط وار، دل چسپ اور سبق آموز کہانی شروع کریں تو رسالہ اور بھی دل چسپ بن سکتا ہے، لیکن قسط وار کہانی دیووں، پریوں اور جنوں

وغیرہ سے متعلق نہ ہونی چاہیے۔

عبدالرسول صدرالدین ۔ کراچی

نونہالوں کی تصویریں

آپ کے رسالے نے چند ماہ میں جو قابلِ رشک ترقی کی ہے، میری طرف سے آپ مبارک باد قبول فرمائیں اور کوشش کریں کہ رسالہ بہتر سے بہتر ہوتا چلا جائے۔

کوئی ایک تصویری کہانی اور کارٹون، جو اچھے ہوں، ضرور ہر ماہ شائع کیا کریں۔

عربی اسباق کا سلسلہ بڑا مفید ہے۔ اِسی طرح سے بنگالی اسباق کا سلسلہ بھی شروع کیجیے گا۔

قلمی دوستی کے کالموں کے ساتھ ساتھ نونہالوں کی تصاویر چھاپنے کا بھی اِنتظام کیجیے اور ہر فوٹو پر دو آنے کے رسیدی ٹکٹ بہ طور خرچ وصول کریں اور ایک اور کالم شروع کریں، جس کا تعلق نصیحات سے ہو اور اخلاقیات کو بھی جگہ دیجیے۔

ملک غلام سرور ۔ لاہور

اچھے مضامین

ہمدرد نونہال ملا۔ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی ۔ مضامین بھی اچھے تھے۔ مندرجہ ذیل مضامین بہت پسند آئے:۔ انشاءَ اللہ، کھو گیا دس رُپے کا نوٹ، زمین کی پیدائش، ابا نے شیر مارا اور میں نے تیندوا، لڑکا چیتا اور لڑکی، کتا بھونکتا کیوں ہے؟، پہاڑی ہٹاؤ، موٹر بوٹ، ادب، راجا کی نیت، اخبار نونہال، عربی زبان سیکھو۔ نظمیں بھی اچھی تھیں۔ ان کے لکھنے والوں کو میری طرف سے مبارک باد دیں۔

سیّد اقبال احمد۔ کراچی

سب سے پیارا

دسمبر کا شمارہ دیکھا۔ بے حد حسین اور خوب صورت تھا اور جب اندر سے کھول کر دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا ہمدرد نونہال پاکستان کا سب سے پیارا اور واحد رسالہ ہے مجھے کہانیوں میں لڑکا چیتا اور لڑکی، ایک خوش نصیب غلام کی کہانی، ابا نے شیر مارا اور میں نے تیندوا، راجا کی نیت بہت پسند آئے۔ خدا ہمارے پیارے رسالے کو اور اچھا رسالہ بنا دے، جو اپنی مثال آپ ہو۔ آمین۔

خالد پرویز احمدی۔ کراچی

نیا اِضافہ

بے شک آپ نے ہمدرد نونہال کے ذریعے بچّوں کے ادب میں نئے دَور کا اضافہ کیا ہے اور بچّوں کے ادب کے نئے افق قائم کر دیے ہیں۔ آپ کی ہمّت کی داد دینی پڑتی ہے۔ خدا اس پیارے پیارے رسالے کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ آمین ؂

اقبال کی دُعا ہے شام و سحر خدا سے
محفوظ اس کو رکھے دنیا کی ہر بَلا سے

ایک حمد ارسالِ خدمت ہے۔ امید ہے "نونہال ادیب" والے کالم کی زینت بن جائے گی۔

محمد اقبال آثر۔ لاہور

جادو کے کھیل

دسمبر کا شمارہ بک اسٹال پر دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ "ابا نے شیر مارا اور میں نے تیندوا"، "کتا بھونکتا کیوں ہے؟" اور "پہاڑی ہٹاؤ" وغیرہ واقعی قابلِ تعریف ہیں۔ بس میں پہاڑی ہٹاؤ سبق آموز کہانی ہے۔

میری رائے ہے کہ آپ ان سب خوبیوں کے ساتھ

ساتھ آپ آئندہ سے جادو کے کھیل اور لطیفوں کا سلسلہ بھی شروع کردیں تو بہتر ہوگا۔

محمد زبیر احمد پراچہ۔ کراچی

پھولوں سے لبریز

موسمِ سرما کا گرم تازہ پھولوں اور کلیوں سے لبریز شمارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ٹائیٹل تو سب ہی نے پسند فرمایا۔ میں نے شمارے کی کلی سے لے کر پھول تک پڑھا۔ اس شمارے کے مضامین میں ہر چیز ایٹم سے مل کر بنی ہے، ابو سمبل کا مندر، زمین کی پیدائش، ادب، راجا کی نیت، پہاڑی ہٹاؤ، نونہال ادیب سے لے کر ان الفاظ کے معنی، اخبار نونہال اور نظموں میں 'ماں' بے حد پسند آئیں۔ مبارک باد قبول فرمائیں۔

جناب کوکب رشدی صاحب کا مشورہ خوب تر ہے کہ جناب جوش، ابراہیم جلیس، فیض احمد فیض اور محشر بدایونی کو ضرور شامل کریں اور جلیس بھیا سے تو مزاحیہ خاکہ ضرور لکھوائیں اور امید ہے کہ جلیس بھیا ضرور نونہالوں کی بات سن لیں گے اور شکریے کے ساتھ اِس ادارے میں شامل ہوں گے۔ آپ ہم نونہالوں کی طرف سے ان کو لکھیے اور رائے نونہالوں سے مانگ لیں۔ اِس دفعہ خیال تو لمبا ہے، کہیں ردی کی ٹوکری کی قسمت نہ کھل جائے۔

ایس۔ ایم۔ ضامن رضوی۔ کراچی

ایک کمی

اسکول سے جوں ہی گھر میں داخل ہوئی، تازہ ہمدرد نونہال پر نظر پڑی۔ سرورق بہت پیارا تھا، مگر جیسے قیمت دیکھی تو سب خوشی ختم ہوگئی، کیوں کہ قیمت بہت زیادہ تھی، لیکن ہمدرد نونہال پڑھا تو یہ قیمت بھی کم لگی۔

ہمدرد نونہال میں ایک کمی بھی موجود ہے، وہ یہ کہ نونہال کا سال نامہ بھی نکالیں، جو خریداروں کو مفت ملے۔ شکریہ۔

شمسہ نیلوفر مرغوب۔ راولپنڈی

لطیفے نہ ہوں

جنوری ۱۹۶۵ء کا شمارہ اپنی تمام خوبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ واقعی یہ رسالہ پورے پاکستان میں انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کی کامیابی آپ کی سخت کاوشوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے، جس کے لیے آپ صدہا بار مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اِس شمارے میں گوہر علی گوہر نے مشورہ دیا ہے کہ لطیفوں کے لیے بھی ایک صفحہ ترتیب دیا جائے، لیکن میری رائے ہے کہ لطیفوں کے لیے کوئی صفحہ ضائع نہ کیا جائے، کیوں کہ آج کل ایسے لطیفے پڑھنے میں آرہے ہیں، جنھیں پڑھ کر ہنسنے کے لیے خود کو گدگدانا پڑتا ہے۔

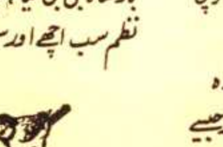
جاوید اطہر۔ کراچی

سبق آموز

مجھے جنوری ۱۹۶۵ء کا رسالہ ملا۔ میں جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔

اِس رسالے میں سب سے اچھے مضامین "سب سے خوب صورت محل" "پہیوں کی گاڑی اور درخت" "بادشاہ بلی بن گیا" "چاند کی لڑکی" اور "بندر اور کچھوا" نظم سب اچھے اور سبق آموز تھے۔

محمد رمضان الوری۔ کراچی





سیّد منصور مظفر - کراچی

عمر: ۱۵ سال تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ ٹکٹ جمع کرنا۔ نونہال کا مطالعہ

پتہ: ۲۹۴ - عثمانیہ کالونی۔ ناظم آباد۔ کراچی نمبر ۱۸

خاور مظہر صدیقی - کراچی

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: سکّے اور ٹکٹ جمع کرنا۔ قلمی دوستی

پتہ: ۱۶ سوامی نرائن بلڈنگ حسن علی آفندی روڈ۔ کراچی نمبر ۱

قیصر ظہیر - کراچی

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی - رسالے پڑھنا

پتہ: ۱۰۸- ایف جہانگیر روڈ۔ کراچی نمبر ۵

رفیعہ سلطانہ - کراچی

عمر: ۱۰ سال تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: مطالعہ کتب

پتہ: سی ون ایریا۔ کوارٹر ۹۷/۴ لانڈھی نمبر ۲ کراچی نمبر ۳۰

وسیم احمد - کراچی

عمر ۱۶ سال تعلیم: انٹر سائنس

دل چسپیاں: مصوری۔ فوٹوگرافی۔ اسکاؤٹنگ

پتہ ۸۴۵۱ - پی آئی بی کالونی۔ کراچی نمبر ۵

اختر کمال جبلپوری - کراچی

عمر: ۱۸ سال تعلیم: فرسٹ ایئر

دل چسپیاں: مصوری کرنا۔ رسائل کا مطالعہ کرنا

پتہ: دیل جی ماؤجی بلڈنگ نمبر ۱۲۰ سالومن ڈیوڈ روڈ۔ رام سوامی کراچی

سلیم احمد - حیدرآباد

عمر: ۱۱ سال تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا - ٹکٹ جمع کرنا

پتہ: - اے-۱۱۶۰ - ۳۴۴/۸۰۱ ہیرآباد - حیدرآباد۔

جمال فاطمہ - کراچی

عمر: ۹ سال تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: کہانیاں پڑھنا - قلمی دوستی

پتہ: ایس-۱/۱۷۱ سعود آباد - کراچی ۲۷

ابراہیم محمد آگریا - کراچی

عمر: ۱۷ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا - قلمی دوستی

پتہ: ۹۵ نیو کلاتھ مارکیٹ - بندر روڈ - کراچی ۲

عزیز اختر - دہلی

عمر: ۱۴ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا - کرکٹ - قلمی دوستی

پتہ: معرفت شفیع الدین نیر - جامعہ نگر - نئی دہلی ۲۵

اسرار احمد گلشن بہاول پور

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا - غریبوں کی مدد کرنا

پتہ: جماعت نہم - ریلوے ہائی اسکول سمہ سٹہ - ضلع بہاول پور

محمد اقبال - کراچی

عمر: ۱۷ سال تعلیم: فرسٹ ائیر

دل چسپیاں: معلومات حاصل کرنا - قلمی دوستی

پتہ: محمد اقبال ۱۴ اعزیز محل (رسی) بلاک رتن تلاؤ ٹمپل روڈ کراچی

ایم-اے شہزادہ - سیالکوٹ

عمر: ۱۷ سال تعلیم: سیکنڈ ائیر

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا - مطالعہ کرنا - قلمی دوستی

پتہ: ۵۸۷/۱ گلی نمبر ۱ پورن نگر - سیالکوٹ

ایم مشتاق احمد نسیم - لائل پور

عمر: ۱۸ سال تعلیم: فرسٹ ائیر

دل چسپیاں: قلمی دوستی - ٹکٹ جمع کرنا

پتہ: معرفت نیاز احمد نیازی کریانہ مرچنٹ محلہ بگائی والا بکالیہ لائل پور

محمود عالم - کراچی

عمر: ۱۱ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا - مطالعہ

پتہ: معرفت محمود شفیع اللہ ۲-ایس/۶۶۵ سعود آباد - کراچی نمبر ۲۷

نجم الحسن - لاہور

عمر ۱۴ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: مضمون نگاری - مطالعہ

پتہ: معرفت نذیر سائیکل ورکس ۴۲ پرانی انارکلی - لاہور

سیفی غازی - بمبئی

عمر: ۱۹ سال تعلیم: ایس-ایس سی

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا - قلمی دوستی - مطالعہ

پتہ: مورلینڈ روڈ چار چال نمبر ۱ پہلا منزلہ روم ۳۲

بمبئی ۱۱

(انڈیا)

سید اظہار الحسن - چاٹگام

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔ قلمی دوستی

پتہ: معرفت سید ابوالحسن (پیر صاحب) سردار بہادر نگر پہاڑتل - چاٹگام۔ مشرقی پاکستان

جمیل اختر خاں شاہین۔

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ ٹکٹ جمع کرنا

پتہ: ۸۴۔ بی بلاک۔ اسماعیل پور۔

خالد سرور - راولپنڈی

عمر: ۱۲ سال تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: ہاکی، کرکٹ، کیرم بورڈ کھیلنا۔

پتہ: آریہ مری روڈ۔ راولپنڈی

محمد ارشد عاطف - کراچی

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی - مطالعہ

پتہ: ایسٹرن ٹریڈ ایجنسی۔ رام پت روڈ۔ کراچی ۲

مراد محمد - کراچی

عمر: ۱۴ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ ٹکٹ جمع کرنا

پتہ: معرفت غلام محمد دودھ فروش۔ غریب شاہ لائن میوہ شاہ روڈ۔ کراچی

مسعود شاہد - راولپنڈی

عمر: ۲۰ سال تعلیم: بی۔ اے

دل چسپیاں: مطالعہ ادب۔ فنون لطیفہ سے دل چسپی

پتہ: ۹۷۹/بی انگد پورہ سیدپور روڈ۔ راولپنڈی

ریاض احمد - کراچی

عمر: ۱۷ سال تعلیم: انٹر کامرس

دل چسپیاں: فوٹو گرافی۔ ہمدرد نونہال پڑھنا۔

پتہ: بلاک ٹ کوارٹر نمبر ۳۲۱۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹

سید آل مہدی - کراچی

عمر: ۱۴ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: کرکٹ۔ قلمی دوستی۔ مطالعہ

پتہ: ۵۷۔الف رضویہ کالونی ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

خورشید یوسف - لاہور

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: سکّے جمع کرنا، مطالعہ کرنا

پتہ: کے بی جوزف۔ ۶ گارڈن - لاہور

محمد اقبال ابوبکر - کراچی

عمر: ۱۶ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ مطالعہ

پتہ: معرفت ابوبکر ہاشم۔ چھبہ گلی۔ جوڑیا بازار، کراچی ۲

عبدالوحید - کراچی

عمر: ۱۸ سال تعلیم: سیکنڈ ائیر کامرس

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا۔ ٹکٹ جمع کرنا۔ قلمی دوستی

پتہ: ۳۔ بی/ ای-۶/۵ لانڈھی کالونی۔ کراچی نمبر ۳۰

ملک محمد سعید رہبر - میانوالی

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ ہمدرد نونہال کا مطالعہ

پتہ: معرفت اکرم دکاندار نزد عیدگاہ شمالی بھکر ضلع میانوالی

سید محمد علی - شہداد پور

عمر: ۱۳ سال تعلیم: ششم

دل چسپیاں: اخبار پڑھنا، کرکٹ کھیلنا

پتہ: سید محمد علی۔ دائرہ مہدویہ شہداد پور

ایم جمیل تبسم - منٹگمری

عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی۔ انجنیر اور فوٹو گرافر دوستوں کی تلاش

پتہ: جالندھر ٹینٹ ہاؤس دیپالپور بازار منٹگمری

فوزیہ سہمین جعفری - حیدر آباد

عمر: ۸ سال۔ تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: مختلف کھیل کھیلنا۔ رسالے پڑھنا

پتہ: کوارٹر ۱۲-اے بیراج کالونی حیدرآباد۔

شہزادہ ظہیر احمد - چاٹگام

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔ قلمی دوستی

پتہ: معرفت نظیر احمد ہیڈ کلرک۔ کے بی ڈویژن آئی پی او۔ کپتائی۔ چاٹگام

. . . .

فارم حلقۂ دوستی

نام: . . . .

عمر: . . . .

تعلیم: . . . .

دل چسپیاں: . . . .

پتہ: . . . .

. . . .

. . . .

اِن الفاظ کے معنی کیا ہیں؟

ب : واہ واہ، شاباش، تعریف

رار : کسی بات پر اڑ جانا، تکرار، ہٹ

اطراف : طرف کی جمع، سمت، کنارے

اطلس : ایک قسم کا چمکیلا ریشمی کپڑا۔ ساٹن

انحصار : منحصر ہونا، گھرنا

بےہودہ : خراب، نکما، بے فائدہ، آوارہ

تپاک : شوق، گرم جوشی

تلخ : کڑوا، بدمزہ، ناپسند

تواضع : آؤ بھگت، عاجزی کرنا

ثقیل : بھاری، وزنی، دیر ہضم

حجم : موٹائی، جسامت

خلل : کام میں تباہی آجانا، بگاڑ

دلاسا : تسلی

دیانت : ایمان داری

رغبت : خواہش، رجحان

رقیب : دشمن، ہم پیشہ

رنجش : ان بن، بگاڑ، ناخوشی

رنجیدہ : ناراض، ناخوش

زحمت : تکلیف، محنت

زدوکوب : مارپیٹ

زینت : زینت کا لفظ ان چیزوں پر بولا جاتا ہے: جن سے آدمی اپنا بناؤ سنگھار کرتا ہے۔

سرگرداں : حیران، پریشان

سماں : وقت، زمانہ، رت، موسم

شفاف : نہایت صاف جس میں آر پار نظر آئے۔

شفقت : مہربانی، رحم، غم خواری

طرح : وہ مصرع جو ردیف قافیہ، بحر بنانے کو مقرر کرتے ہیں۔

عصا : لاٹھی، چھڑی

عنصر : اصل، بنیاد

قاصد : ارادہ کرنے والا، پیغام لے جانے والا

ماس : گوشت

متانت : بےہودہ الفاظ اور خیالات سے پاک ہونا

محظوظ : خوش، مسرور

معدنیات : کان کی چیزیں، دھات

منکا : کسی پتھر کا دانہ، نگینہ، کانچ

نایاب : کم یاب، وہ چیز جو بہت کم میسر آئے

نجات : رہائی۔ چھٹکارا

نسیان : بھول

نفاست : صفائی، خوبی، عمدگی

نقص : کسر، عیب، برائی، کھوٹ

نکسیر : ناک سے خون گرنا۔

حکیم حافظ محمد سعید ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعاتِ ہمدرد، ناظم آباد۔ کراچی ۱۸ سے شائع کیا



دانتوں کی تکلیف کا
ایک علاج
مگر بہتر ہے
ہمدرد منجن
استعمال کریں
ہمدرد



فروری ۱۹۶۵ء — رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

دوسرا شمارہ — بارھویں جلد

ہمدرد نونہال

اس رسالے میں کیا ہے؟

قیمت: ایک رسالہ ۷۵ پیسے — سالانہ آٹھ روپے

PRINTED AT ZAIN PACKAGING INDUSTRIES LTD. KARACHI